مصباح علی

حاصلِ کشت و خوں

رکی ہوئی برسات کی سیلن میں حبس بڑھتا جارہا تھا۔ وہاں پر موجود جمِ غفیر نے گھٹن مزید بڑھادی۔ سانولے، گہرے سانولے، گورے، بچے بوڑھے، جوان عورت مرد سب طرح کے لوگ موجود تھے ایسا لگتا تھا آج سارا شہر مسافر بنا اڈے پر آرکا ہے۔ ریڑھیاں، ٹھیلے، بے ہنگم آوازیں اور رش اس رش کو چیرتی مختاراں اس کا ہاتھ تھامے تیزی سے لاری کی سمت بڑھ رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ میں چھوٹی سی گٹھڑی اور دوسرے ہاتھ سے گھونگھٹ سنبھالے کھنچتی گئی۔ ماسی مختاراں کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ایک قدم اٹھائے اور اڑ کر اپنی بھتیجی زہرہ کے پاس پہنچ جائے۔ اس سے جدائی کے لمحات سوچ سوچ کر آواز بھرا جاتی، آنکھیں برسنے لگتیں۔

انبالہ سے قصور ہجرت کے وقت ان کا قافلہ دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ پاکستان آکر کوئی کہیں، کوئی کہیں پہنچ گیا۔ بہت ملنے کی کوشش کی، لیکن اللہ کو منظور نہ تھا۔ خاندان کے تقریباً" سب لوگوں کا پتا چل گیا، صرف زہرہ اور اس کی ماں کا کچھ پتا نہ چلا۔ چار سال بعد کسی نے بتایا وہ بہاول پور کی کسی مندر نما حویلی میں دیکھی گئی ہیں۔ ماں نے مرنے سے پہلے

مکمل ناول

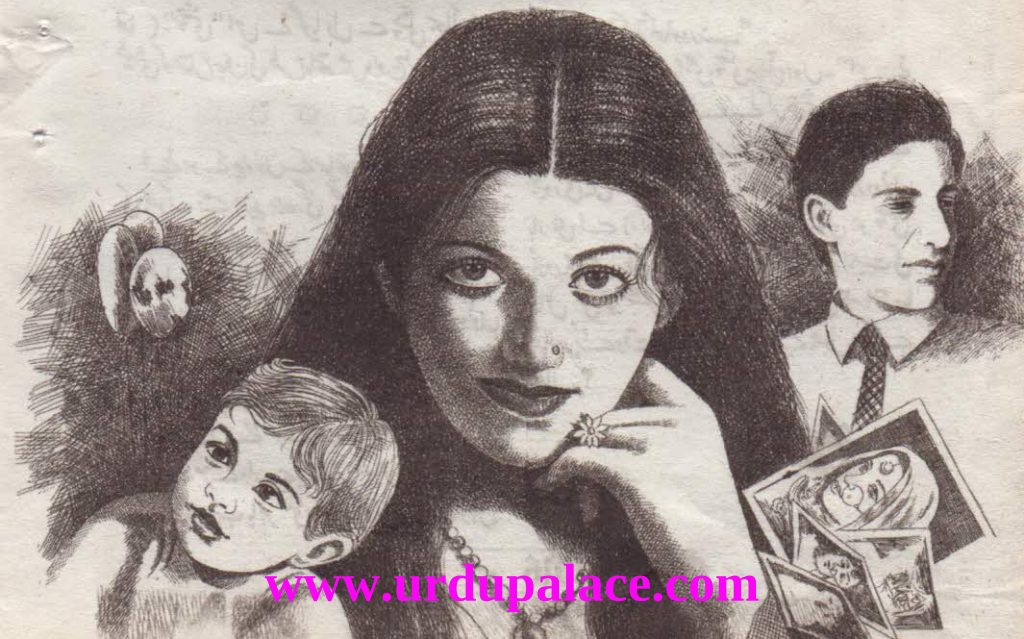

www.urdupalace.com

شادی کردی' زہرہ کے سر کا سائیں بہت ہی خوب صورت ہے۔

مختاراں پتا لے کر ڈھونڈتی ڈھانڈتی وہاں تک پہنچی پتا چلا کچھ دن پہلے ہی اس کے سائیں کو نوکری مل گئی اور یہاں سے چلے گئے۔ اتا پتا کسی کے پاس نہیں۔ وقت پندرہ چوبارے چڑھ گیا' لیکن یاد اسی طرح دل کی گلیوں میں بھٹکتی رہی۔ اب پچھلے مہینے کسی پرانے ملنے والے نے اسے لاہور میں دیکھا تھا۔ پتا لا کر مختاراں کو تھمایا۔ اس نے اب کے چلنے سے پہلے خط ڈال کر اپنے آنے کی اطلاع دی' مبادا اب پھر نہ آگے پیچھے ہو جائے۔۔۔ خوشی ماسی مختاراں کے چہرے سے پھوٹتی تھی وہ بس میں بیٹھی مسلسل زہرہ کا ذکر کرتی رہی۔

"زہرہ کو گھٹی میں نے دی تھی' بچپن سے میرے ساتھ رہی' کھایا' پیا' سوئی۔۔۔ بالکل میرے جیسی ہے' عمر تیرے جیسی ہوگی۔" سو بار کے سنے ہوئے زہرہ نامہ میں بی بی کو قطعاً" دلچسپی نہیں تھی' وہ بس اتنا سوچتی رہی' جب بچھڑے ملتے ہیں تو کیا اتنی ہی خوشی ہوتی ہے' کیا میرا کوئی اپنا ہے' دل مٹھی میں جکڑ گیا۔ آواز آئی۔

"میرا کون ہے۔۔۔ میرا بھلا کوئی کیسے ہو سکتا ہے' تنہا تھی' تنہا ہوں۔" اس کی سوچوں کا ارتکاز ماسی کے ٹھوکے نے توڑا۔ جانے کس وقت اس نے بھنے چنے خریدے' کاغذ کا لفافہ اس کی سمت بڑھاتے کہہ رہی تھی۔

"لے کھالے' بھوک لگی ہوگی۔۔۔ میری زہرہ کو چنے بڑے ہی پسند ہیں' میرے ہاتھ کی چاٹ پر جان دیتی تھی۔" اس نے ٹھوڑے سے چنے اپنے ہاتھ میں اٹھالیے۔ بھنے ہوئے کالے چنے اور اس کے جھریوں زدہ سیاہ ہاتھ دونوں ایک سے لگ رہے تھے بھٹی میں اچھل اچھل کر پکے ہوئے۔

"یہ تو تقسیم نے وچھوڑے ڈال دیے' ورنہ اپنوں سے جدائی کا کوئی کیوں سوچے۔" ماسی پھر شروع ہوگئی۔ چھک چھک کرتی لاری' گول بجری سے بنی پکی سلیٹی سڑک پر آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ لاری میں بیٹھے ہر شخص کی الگ داستان تھی۔ تقریباً" ڈیڑھ دہائی مکمل ہونے کو آگئی' لیکن لوگوں کی جدائی کے قصے ختم ہونے کو نہ آتے۔ جہاں دو لوگ اکٹھے ہوئے' باتوں میں آنسو ڈیرہ ڈال لیتے۔ اڈے پر پہنچتے ہی وہ تانگہ روک اور بیٹھ گئیں۔ گھوڑا بڑی سڑک پر بھاگتا تنگ گلیوں میں جانے لگا۔ ایک قدرے تنگ گلی کے نکڑ پر رکا اور کوچوان بولا۔

"لو بھئی بیبیوں' آگیا۔"

ماسی اسے پیسے ادا کر' گٹھری بی بی کو پکڑا اور بے تابی سے گلی میں داخل ہوئی' وہ تھکے گمشدہ مسافر کی طرح مرے قدموں سے پیچھے چل رہی تھی۔ ماسی مختاراں کو اپنی زہرہ واقعی مل گئی تھی۔ دونوں بے تابی سے لپٹیں۔ ایک دوسرے کے گال' آنکھیں' ہاتھ چومے۔ زہرہ کی سوالیہ نظروں پر خالہ نے ہلکا سا سر ہلا کر اس کا تعارف کرایا۔ پھر وہ ان دونوں کو اندر پکے کمرے میں لے گئی' مسہری پر بٹھایا۔۔۔ سرخ سیمنٹ کا پکا فرش' دیواروں پر پلستر کے ساتھ روغن بھی چڑھا تھا۔ تین کمروں کا چھوٹا سا صاف ستھرا گھر۔ ضرورت کا بستر سامان' آسودگی ظاہر کرتا تھا۔ پھر تقریباً" آٹھ برس کا گول مٹول سا بچہ نانی سے ملنے آیا۔ اس کی آنکھیں ہونٹ' بی بی کو کہیں دیکھے بھالے لگ رہے تھے۔ اس نے چاہا اس کے پاس بیٹھے' وہ اسے غور سے دیکھے محسوس کرکے یاد کرے' مگر وہ بچہ تھا' اس کی اکھڑی' کٹی پھٹی گہری سیاہ رنگت سے خوف زدہ ہو کر سلام کرکے نانی کے پاس ٹک گیا۔ وہ گردن کو خم دیے ترچھی نظروں سے اسے تکے جا رہی تھی۔ وہ نانی کے ساتھ جڑا بیٹھا مسلسل پاؤں ہلا رہا تھا۔

"اتنا بڑا ہو گیا تو' مگر کھوتوں کی طرح کھر بجانے نہ چھوڑے' پاؤں مت ہلایا کر' رشتوں پر نحوست پڑتی ہے۔" جواباً" اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"اماں! رشتے پاؤں پر بندھے ہیں' جو ہل کر گر جائیں گے۔" بی بی اپنے کانوں کی گونج پر چونکی' اس کی سانس سمٹی اور نظروں کا رخ بدل لیا۔ بچہ ابھی بھی

www.urdupalace.com

پاؤں ہلا رہا تھا۔
سفید گوری رنگت، بیضوی مسکراتا سا چہرہ، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر گھنیری لمبی پلکیں، بھرے بھرے نارنجی ہونٹ، وہ کھڑی ناک کو مزید سمیٹتے لجلجائے انداز میں اندر داخل ہوئی۔ وہ تقریباً" بارہ برس کی ہوگی۔ سلور کی ٹرے میں دو گلاس لال شربت کے رکھے سلام کرتے ہوئے ان کے سامنے کیے۔ بی بی اسے دیکھتے ہی اگلا سانس لینا بھول گئی تھی۔
کون ہے یہ، ایسے جیسے بہت عرصے سے جانتی ہو، جیسے ہمیشہ سے اس کے آس پاس رہی ہو، وہی نین نقشہ، مسکراتے ہوئے بائیں رخسار پر گڑھا، آخر اسے کہاں دیکھا، کہاں ملی ہے، کچھ یاد نہ آتا۔
"بی بی! پانی لے لے، ایمان سے بڑی گرمی ہے۔"
ماسی مختاراں نے اسے متوجہ کیا اور اپنا گلاس ایک سانس میں اٹھا چڑھا گئی۔ وہ ڈکار لے کر دونوں بچوں کو بازوؤں میں دبوچے چٹاچٹ چوم رہی تھی، زہرہ بھی
پھوپھی سے لپٹ لپٹ جاتی۔ پائنتی پر ٹکی لجلجائی لڑکی ایک آدھی نگاہ بی بی پر ڈالتی پھر مسکرا کر سمٹ جاتی۔
وہ بولتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا۔ ان وقتوں میں دن دیہاڑے دروازے مقفل کرنے کا رواج نہیں تھا۔ وہ کچھ کہتا ہوا سیدھا اندر کی جانب آرہا تھا۔ شاید اس کے ساتھ بھی کوئی بچہ تھا جسے قائل کرنے لگا۔
"یار ایک تو تو بات نہیں مانتا، ہر بار غلط ضد، جانور ہمیشہ ایک رنگ کا پیارا لگتا ہے، سفید والا کتنا پیارا تھا، وہ کالے والا بھی اچھا تھا... پر نہ جی تجھے تو وہ چت کبرا میمنا پسند آرہا ہے، مجھے تو وہ گھر میں اچھلتا کودتا ذرا نہیں بھائے گا۔" وہ قریب بڑھتی آواز نہیں تھی کوئی پگھلتا ہوا گرم سیسہ تھا۔ اس کے کانوں میں ٹپکتا گیا۔
بی بی کا وجود گمنام بے جان چیز کی طرح ساکت ہوا، بھسنبھری میں دھنستا جارہا تھا۔ دل اس قدر تیز دھڑکا جیسے پھٹ جائے گا اور اس نے چاہا کہ اب یہ پھٹ ہی جائے۔
اس کی آواز پر پھوپھی اور زہرہ اٹھیں اور باہر نکل
گئیں۔ ماسی کے آنے کی انہیں خط کے ذریعے اطلاع تھی۔ وہ خود لینے آجاتا اگر پھوپھی خط میں اپنا پتا بھی لکھوا دیتی۔ انہیں پھوپھی کے ملنے کی بہت خوشی اور آنے کا انتظار تھا اور اس وقت ان کی سلام دعا کی آوازوں سے خوشی چھلکتی تھی۔ بی بی نے کسی خیال کے تحت چادر کا پلو قدرے آگے کر لیا۔ اس کی بھاری آواز پر بدن ہولے ہولے لرزا اور کمرے میں داخل ہوتے قدموں کی چاپ پر جسم کے ہر مسام سے پانی پھوٹ پڑا، ہاتھ پاؤں یخ ٹھنڈے ہوگئے۔ اس نے کپکپاتے ہوئے پیٹھ دروازے کی جانب کر لی اور پلو بائیں رخسار پر اچھا خاصا آگے کر لیا۔ وہ اس کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ چوکھٹ پر رک، زہرہ کو استفہامیہ نگاہ سے دیکھا۔ جواباً" وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔
"یہ پھوپھی کی بیٹی ہے۔"
"ہیں..." اسے حیرت ہوئی۔
"ہاں ... بیٹی ہی ہے، اور ان کے ساتھ رہے گی۔" وہ احتراماً" کھڑی ہو چکی تھی۔ اس نے اسے

www.urdupalace.com

"بیٹھو بیٹھو۔" کہا اور پھوپھی سے سفر کے متعلق پوچھنے لگا۔

"آپ لوگ خیریت سے پہنچ گئے، کوئی پریشانی، تکلیف تو نہیں ہوئی، گھر آسانی سے مل گیا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے اک ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا۔ وہ تقریباً" پینتیس، چھتیس سال کا مضبوط جثے والا مرد تھا۔ وقت کے ساتھ شخصیت میں مردانگی اور رعب بڑھ گیا۔ کچھ سرکاری دفتروں میں اٹھنے بیٹھنے سے سراپے میں مزید نکھار آگیا۔ وہ پھوپھی سے مخاطب تھا اور بی بی ڈری ڈری چور نگاہ سے اس کا سراپا دیکھ رہی تھی۔ اس کے سوکھے کانپتے ہونٹ دانتوں نے بھینچ لیے، نگاہ اس کی سنہرے تلے والی جوتی پر گڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"مبراّ پتر... او کہاں ہے تو...؟" وہ کھرے کے پاس بیٹھی تھاپی مار مار کپڑے دھو رہی تھی۔ تایا صلاح الدین کی آواز کیسے اس تک آئی۔ اس کا دھیان بار بار بیان کی جانب بھٹکتا تھا۔ اس کی موجودگی میں کپڑے دھونے کا لطف ہی الگ تھا۔ اور کپڑے کیا ہر کام ہی۔ اس کی نگاہیں اس کے سارے وجود کو گرما دیتی تھیں۔ ہری چرن نے جب سے ان کے کپڑے دھونے سے انکار کیا تھا، اچھا خاصا مسئلہ بن گیا تھا۔ تائی ثریا کے کندھے جوڑ سردی سے اینٹھ جاتے۔ مبرا نے ان کے کندھے دباتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"تائی جی! کپڑے ہوتے ہی کتنے ہیں، دو تو جی ہیں۔ تایا اور..." وہ لحہ بھر رکی، موتیے کی کلی جیسے چہرے پر زعفرانی سایہ پڑا۔

"اور اس کے... میں دھو لیا کروں گی۔" ہری چرن نے بڑا سا میلا گٹھڑ واپس کیا تھا۔ اس نے کاسٹک سوڈے کا پتلا پتلا سا صابن رکایا، تسلا کھرے میں رکھ، چوکی پر بیٹھ کپڑے دھونے لگی۔ وہ باہر جانے کی غرض سے قریب سے گزرا تھا۔ اتنا جاڑا، ٹھنڈا پانی، سردی سے اکڑی پتلی پتلی انگلیاں۔ سفید ملائی جلد پر نیلگوں رگوں کا جال۔ وہ لحہ بھر ہی دیکھ سکا۔

"ٹھنڈے پانی میں کیوں دھو رہی ہے... رک ذرا...!" اسے کہہ کر اس نے مٹی کے چولہے میں اور لکڑیاں ڈالیں۔ تانبے کا گاگر اس پر چڑھایا۔ تھوڑی دیر میں پانی کھولنے لگا تو اتار اس کے قریب رکھ دیا۔ وہ شرمساری سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"آئندہ زیادہ گندے نہیں کروں گا۔" لمبی سیاہ پلکوں کا خم دار سایہ آتشیں گالوں پر کانپنے لگا۔ دھڑکن بے حد تیز۔ اس کے سامنے پہلے کبھی یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی۔ بے شک کچھ معمول سے ہٹ کر ضرور ہوتا تھا، مگر ان دو مہینوں میں اس کی نگاہ محسوس ہوتے ہی بدن ہولے ہولے لرزتا۔ لفظ کانپ جاتے وہ بمشکل کہہ پائی۔

"گندے...! یہ تو میلے ہی نہیں ہیں۔" وہ استہزائیہ گردن مار چولہے کی جانب بڑھا۔ جلی لکڑی باہر نکال، زور سے فرش پر ماری۔ ٹوٹے نارنجی انگارے انگھیٹی میں بھر اس کے قریب رکھ باہر نکل گیا تھا۔ اسے دیکھ کر ساگ کی گندلیں چھیلتی تائی ثریا کے ہونٹ مبہم سے پھیلے تھے۔

"ابھی صرف دو بول پڑھائے ہیں تو یہ عالم ہے، جس دن باقاعدہ گھر والی بن جائے گی، پھر جانے کیا کرے گا۔"

"خیر!" وہ مسکرائیں۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوشی تھی کہ وہ خوش ہے۔

"بس جلدی سے وہ دن آجائے کہ اس کا سہرا کھلے، بچوں کا انگنا میں شور ہو۔"

پھر جب، جب وہ کپڑے دھوتی وہ معمول کی طرح پانی گرم کرکے اس کے قریب دھر جاتا، ایک طمانیت سی اندر تک بھر جاتی تھی۔ موسم بدل گیا نل کا پانی ہی اچھا آنے لگا۔ پھر پانی گرم نہ کرتا دو تین بالٹیاں بھر کر کھرے میں رکھ جاتا، لیکن آج وہ جلدی میں تھا بھول گیا۔ وہ کچھ دیر منتظر رہی پھر پانی بھر کر کپڑے دھونے لگی۔ ہنڈیا بھونتی تائی نے چھیڑا۔

"کچھ دیر انتظار کرلے، ورنہ کپڑے تو دھوئے گی، تھک وہ جائے گا۔" وہ شرم سے دہری ہو گئی۔ ہر طرف

www.urdupalace.com

پیان مچلنے لگا۔ اس کی ہلچل تایا صلاح الدین کی دوسری تیسری پکار نے توڑی۔

"میرا پتر' لالٹین لادے' آج ڈھکن لگوا لاتا ہوں۔ اور بھی جو چیزیں ہیں ٹھیک کروانے کی نکال دے' جلدی کر شاباشے۔" دو مہینے سے لالٹین کی کپی کا ڈھکن جانے کہاں گر گیا تھا۔ مل کر نہ دیا۔ دو' تین بار پیان نے لکڑی کا ڈاٹ اس میں اڑایا' مگر جب تیل ڈالتی پھنسانا بھول جاتی۔ ایک دو بار موم جامے کا ٹکڑا رکھ دھاگہ باندھا' وہ لپیٹنا بھول گئی۔ ایک بار پیان نے ڈپٹا۔

"اگر تیل گر گیا' آگ لگ جائے گی....."

"احتیاط تیل گرنے نہیں دیتی...."

اور واقعی دو مہینے گزر گئے تھے' تیل نہیں چھلکا تھا۔ اس نے احتیاط کی تھی۔ بے احتیاطی تو حواس باختگی میں ہوتی ہے۔ آج تایا نے ڈھکن لانے کا ارادہ کیا۔ وہ چوکی سے اٹھ کر گھڑونچی کے شہتیر پر لٹکی لالٹین لینے آئی تھی۔ گھڑولے کا سرخ اینٹوں کا فرش' کھرے کے ایک جانب گھڑونچی پر تین گھڑے اور ایک صراحی ہوتی تھی۔ پیان ہمیشہ صراحی کا پانی پیتا تھا۔ ٹھنڈا میٹھا فرحت بخش' لیکن اب وہاں صرف گھڑے تھے' صراحی نہیں تھی' گھڑے میں تل لگا تھا کپڑے' برتن دھونے کے لیے۔ گھڑولے کی دیوار پکی اینٹوں کی جالی نما تھی۔ جہاں سے اندر تازہ ہوا آتی' گھڑولا ٹھنڈا رہتا اور باہر بہت دور دور تک دکھائی بھی دیتا تھا۔ وہ شہتیر سے لالٹین اتار' عادتاً" جالی کے قریب آگئی۔ ململ کا فیروزی چنا دوپٹا' پلو دانتوں میں دبا' کالی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں سوراخ میں ٹک گئیں۔ مٹی کا صاف چٹیل میدان' پھر کچی سڑک جس کے دونوں اطراف دور دور تک لہلہاتے کھلیان' کسی وقت میں وہ ساڑھے آٹھ قلعے کے کھلیان ان کے تھے' پھر موہن گپتا ان پر قابض ہوگیا۔ جعلی کلیم بنوالیے۔ لڑائی جھگڑا' پنچایت اکٹھی ہوئی۔ ٹھاکروں' راٹھوروں' پنڈت کے علاوہ صلاح الدین' ضیا الدین نے مولوی نظام کو بھی بٹھایا' مگر گپتا نے حمایتی اکثریت کی وجہ سے انہیں دبالیا۔ اس وقت ان کا ساتھ صرف ایک رنداوہ سنگھ نے دیا تھا۔ ایک تو وہ پڑوسی تھا دوسرا دوست۔ اس کی نیت تو اللہ جانتا تھا' مگر بظاہر گپتا پر چڑھ چڑھ جاتا۔ بے شک وہ اپنی زمینیں گپتا سے چھڑوا نہ سکے' مگر رنداوہ نے حمایت کر کے دل میں خوب جگہ بنالی تھی۔ پھر اسی نے مشورہ دیا۔

"یار صلاح چھوڑ اسے' جو چند قلعے تیرے پاس رہ گئے ہیں' اسی سے اناج روٹی کھالو' قتل' فساد میں کیا رکھا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات دل کو لگی۔ اب اس چٹیل میدان کی اوطاق سے ملحقہ دو قلعے کا کھلیان ان کا تھا۔ لہلہاتی فصل میں اس کے گبھرو کے ٹاپوں کی آواز اپنے دل کی دھک دھک پر حاوی ہوتی چہرہ سرخ کر رہی تھی۔ اس آواز میں عجیب سرور تھا۔ جب وہ گیارہ' بارہ برس کی تھی وہ سفید ٹٹو بھگاتا لاتا۔ وہ اور اس کا دوست امرت سنگھ' امرت کا پھوپھی زاد' ارجیت سنگھ۔ تینوں قہقہے لگاتے' سرپٹ ٹٹو بھگاتے۔ ابا' تایا صلاح الدین اور امرت کا باپ رنداوہ سنگھ اوطاق میں لگے بڑے درختوں کے نیچے چارپائیاں بچھائے اپنے اپنے حقے کی گڑگڑاہٹ میں ان کی حرکتوں پر ہنستے۔ ارجیت ان میں بڑا اور اسکول جانے لگا تھا۔ وہ انہیں اسکول کے قصے سناتا' سرکنڈوں کی عینک لگا' منہ بگاڑ بھاری آواز میں ماسٹر کی نقل اتارتا۔ ان دونوں کے کان پکڑ کر پٹائی شروع اور وہ آگے آگے بھاگتے۔ پھر دھوبی ہری چرن کی گھاٹ سے اس کا گدھا کھول لے جاتے اور سارے گاؤں میں بھگاتے۔ ہری چرن پتھر' شاخیں چھڑیاں' ان پر اچھالتا' گالیاں بکتا ان کے پیچھے پیچھے بھاگتا۔ شرارت کا سرور ایسا تھا۔ اس کے پاس سے ہوا کی طرح گدھا اڑا لے جاتے جب قابو نہ آتے تو وہ ان کے باپوں کے پاس رونے دھونے لگتا۔

"ہری بابا تم بیٹھو ادھر۔" ضیا الدین نے پیر سمیٹتے جگہ بنائی۔

"ابھی آنے دو کمینوں کو' مرغا بنا کر ایک ایک کی خبر لوں گا' گھاٹ پر تمہارے ساتھ کپڑے بھی دھلوائیں گے۔"

"نہیں' نہیں مہاراج۔" وہ ہچکچاتا' ظاہر ہے'

www.urdupalace.com

ہچکچانا بنتا تھا۔ صلاح الدین، ضیا الدین دونوں بھائیوں کے مستقل کپڑے تو دھوتا تھا، مگر وہ اجرت کے علاوہ فصل سے کچھ حصہ جامن، آم کا پھل اور جب کپڑے لینے دینے آتا تو کھانا پینا بھی۔ اور ہاں اس کا گدھا اکثر ان کے کھیتوں میں چرتا بھی تھا۔ لالچ سے عاری دل، سادہ لوح، سادہ زبان، مذہب فرقہ اگر نہ چھیڑو تو آبادی میں خاصی یک جہتی تھی اس وقت۔ اسی لیے وہ پسیج جاتا۔

"بچے ہیں مہاراج، عقل آتے آتے آجائے گی، بس اتنا سمجھا دینا، میرا گٹھڑ کیچڑ میں نہ پھینکا کریں۔" وہ گدھے پر رکھا سامان بنا دیکھے پھینک کر بھاگ جاتے۔

"ضرور ضرور" ضیا الدین گردن ہلاتے دھیما سا مسکراتے۔

کچھ عرصے بعد ضیا الدین کی گھوڑی نے جڑواں بچے دیے تھے۔ گھوڑی تو ضرورت پڑنے پر بیچ دی، مگر وہ بچے امرت اور پیان کو دیتے وقت کہا تھا۔

"ایک تیرا اور دوسرا تیرا، کھلاؤ، پلاؤ جب تمہارا وزن اٹھانے کے قابل ہو جائیں تو اپنا اپنا لے جانا۔"

امرت کو ہمیشہ اچھی چیز پسند آتی تھی۔ سفید اور بھورے صحت مند کو دیکھ کر فوراً ہاتھ رکھا۔

"چاچا، یہ چتکبرا میرا....."

"ہاں ہاں تم لے جانا۔" ضیا مسکرائے۔

"اور یہ میرا چاچا جی....." پیان کو چتکبری چیزیں ویسے ہی ناپسند تھیں۔ اس نے سفید بادلوں جیسے دبلے پتلے بچے کے ماتھے کو چھوا۔

"ٹھیک ہے، لیکن وعدہ کرو، اب ہری چرن کے گدھے کو تنگ نہیں کرو گے۔"

"ٹھیک ہے چاچا جی۔" دونوں بیک زبان بولے۔

انہیں اب نیا مشغلہ مل گیا۔ امرت اپنے ساتھ ارجیت کو بھی لے آتا۔ پہلے تینوں کھیتوں سے چارہ اکٹھا کرتے، پیان بوتلوں میں دودھ بھر لاتا اور گھاٹ کے پاس بنی لمبی سے ناند میں چارہ ڈال، زبردستی ان کے منہ میں دودھ ٹھونستے، اماؤں سے مہندی گھلواتے، ان پر چاند تارے بناتے۔ پیان کا گبھرو، امرت کا شیرو۔

"یار!" امرت اپنے چھوٹے سے سر پر پگڑی درست کرتے ہوئے فکرمندی سے بولا۔ "شیرو سست ہوتا جا رہا ہے۔"

"اگر ہر وقت کھلاتے رہو گے تو سست ہو کر اونگھتا ہی رہے گا نا۔" ضیا الدین ان کے گھوڑوں کے لیے گھنٹیاں اور پیتل کے جھانجھر بنوا لائے تھے تاکہ وہ دور جائیں تو آواز سے پہچانے جائیں۔ انہوں نے جھانجھریں، گھنٹیاں انہیں پکڑا دیں۔ وہ شیرو کو جھانجھر باندھتے مسلسل گبھرو کو تک رہا تھا۔

"میں نے جلدی میں غلطی کر دی، مجھے چاچا سے گبھرو لینا چاہیے تھا۔" وہ دن میں کئی بار یہی سوچتا۔ گبھرو تھا بھی ایسا، جتنا پیدائش کے وقت کمزور تھا اب دن بدن اتنا ہی طاقت ور و توانا ہوتا جاتا تھا اور جب انہوں نے اس پر سواری شروع کی اس کی رفتار، ٹاپوں کی آواز شیرو سے کہیں زیادہ.....

جاڑے کا موسم تھا، سرشام ہی آسمان پر سیاہی پھیلنے لگتی۔ ان وقتوں میں دھند کا راج نہیں تھا البتہ سردی کڑاکے دار پڑتی تھی۔ وہ دونوں اپنے گرد لال، پیلی اونی شالیں لپیٹے ٹاٹ کے ٹکڑے پر بیٹھیں۔

امرت، پیان کی گھوڑا ریس دیکھنے میں محو تھیں۔ وہ گھوڑے سرپٹ بھگاتے کھیت سے آگے نہر، کیکر کے جھاڑوں کو پار کر ہری چرن کی گھاٹ تک کئی چکر لگا آئے۔ کبھی شیرو آگے، کبھی گبھرو... گھر کے قریب آتے ہوئے شیرو کا پاؤں ریت کر پھسل گیا، مگر بچت ہو گئی۔ امرت اچھل کر نیچے اترا۔ پیان نے بھی طنابیں کھینچ لیں۔

"چوٹ تو نہیں لگی؟" اس کے استفسار پر امرت تیوری چڑھائے بولا۔

"ضیا چاچا نے اچھا گھوڑا تجھے دیا ہے، تب ہی ہر بار تو جیت جاتا ہے۔" اس کی بے جا خفگی پیان نے قہقہے میں اڑائی۔ سہتی جھلا کر بولی تھی۔

"امرت، ہار کر تو ایسے نہ کہا کر، جھوٹے..... شیرو تو نے اپنی مرضی سے پسند کیا تھا، اب پیان کی طرح بھگا نہیں سکتا تو شیرو کا کیا قصور۔" دوست کے لیے بہن کی حمایت اس کے اندر کڑواہٹ گھول گئی۔ ہتک سے

www.urdupalace.com

پہلے ہی بھرا تھا۔ چلا کر بولا۔

"تو یہاں کیا کر رہی ہے' دفع ہو گھر۔" وہ ایک ہاتھ سے شیرو کی طنابیں پکڑے دوسرے سے سہتی کی نازک کلائی دبوچے لے جا رہا تھا' اس کے شور مچانے کے باوجود اسے گھسیٹتا گھر تک لے گیا۔ پیان کی ہانک۔ "یار آرام سے' بہن ہے تیری۔" پھر بھی اسے فرق نہیں پڑا تھا۔ اب وہاں صرف مبرا کھڑی پیان کو دیکھ رہی تھی۔

"اتنی سردی میں تم دونوں روز' روز کیوں آجاتی ہو' بیمار ہو جاؤ گی۔" وہ جواباً" صرف ستائشی لہجے میں بولی۔

"تیری دوڑ دیکھنے۔"

"مجھے سردی لگ جائے گی... مبرا' چل بیٹھ اس پر' گھر لے چلوں۔" یہی وہ لمحہ تھا جس کا اسے انتظار رہتا تھا۔ وہ اپنا گھوڑا بھگا نالاتا۔ وہ اور سہتی رسہ گیند پٹے' اسٹاپو' کیکلی ہر کھیل چھوڑ اس کی راہ میں کھڑی ہو جاتیں کہ اب اس کی واپسی کا وقت ہے۔ وہ اپنے گھوڑے پر اسے بٹھائے گا' گھوڑے کی لگام پکڑ کر گھر تک آگے آگے چلے گا اور اسے اپنا آپ کسی مہارانی کی طرح لگتا تھا۔ سہتی حسرت سے دیکھ کر کہتی۔

"کاش! وہ کبھی مجھے بھی بٹھائے۔"

صلاح الدین کے اکلوتے بیٹے پیان الدین کی رندا وہ سنگھ کے بیٹے امرت سنگھ سے بچپن سے ایسی یاری تھی جیسے صلاح الدین اور رندا وہ کی۔ ہم عمر' سحلے دار' بڑوں کا پرانا میل ملاپ' دکھ سکھ' عید تہوار میں خاندان برادری کی طرح شرکت کی جاتی۔ اپنے مذہبی اقدار و روایات کا پاس اپنی جگہ برقرار تھا۔ مگر دلوں میں اتنی وسعت ضرور تھی کہ حق ہمسائیگی' انسانیت کے ناطے اک دوجے سے اپنے مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے۔ بس آپس میں رشتے ناتے نہیں گندھے تھے باقی کوئی پابندی کا تصور نہیں تھا۔ ہندو خاندان سے اٹھ بیٹھ ضرور تھی مگر سنگھ برادری اپنے معاملات گرم جوشی سے نبھا رہی تھی' یہی چیز اگلی نسل میں منتقل ہو گئی۔ امرت کی چھوٹی بہن سہتی ضیاء الدین کی بیٹی مبرا کی پکی ہم جولی تھی۔ راج نگر کی گلیوں میں ان کا بچپن اکٹھے کھیلتے کودتے گزرا' جوانی میں وہ خود ان کے گھر آنے کے بہانے ڈھونڈتی' کبھی سلائی کڑھائی' سینے پرونے کے بہانے' کبھی کوئی نیا پکوان تائی ثریا سے سیکھنے' امرت اور پیان سارا دن گلیوں' کھیتوں میں پھرتے' اکٹھے اسکول آتے جاتے' صرف مسجد' گردوارے کے اوقات الگ الگ تھے' بچپن کے یارانے وقت کے ساتھ لڑکپن تک جگری دوستی میں بدل گئے۔ پیان خلوص میں خوب آگے تھا۔ بچپن میں بیر' جامن' مالٹے کچھ بھی کھیتوں سے توڑتا سب سے پہلے' ارجیت کی جانب بھاگتا تھا۔ کچھ بڑے ہوئے' کبڈی' کشتی' میلوں میں ایک دوجے بنا شرکت تو کیا کرنی' غلیل یا ابا کی بندوق سے چڑے' بٹیر شکار کرتا' سب سے پہلے ان کا خیال آتا تھا۔

☆ ☆ ☆

روشنی جامن کے درختوں سے پھسل کر سارے کچے صحن میں رقصاں تھی' کالی چڑیاں' بلبل' کوئلیں نئی لپائی کیے مٹی کے فرش سے تنکے چن چن کر لے جا رہی تھیں۔ وہ ایک تھیلے میں بہت سے بٹیر ڈالے تیزی سے اندر داخل ہوا۔ وہ لال چارپائی پر بیٹھی بستر کی چادر پر رنگین بیل بوٹے کاڑھ رہی تھی۔ دونوں گھر ساتھ ساتھ جڑے تھے' درمیانی دیوار برائے نام تھی چھلانگ مار و یار اک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا جو ہر وقت کھلا رہتا۔ زینب (مبرا کی ماں) کی وفات کے وقت مبرا بمشکل آٹھ برس کی تھی' ماں کو یاد کر کے ہر وقت روتی' ثریا ایک پل بھی اسے خود سے دور نہ کرتیں' لپٹا لپٹا کہ پیار کرتیں' رات کو ضیاء الدین کھیتوں سے پلٹتے' کھانا کھا کر اس کی انگلی پکڑ کر گھر لے جاتے۔ دو چارپائیاں ساتھ جوڑ اسے تھپک کر سلا دیتے' جیسے جیسے بڑی ہوئی چارپائیوں میں فاصلہ بڑھتا گیا لیکن سویرے اٹھ کر تائی ثریا کے ساتھ ناشتا اور پھر سارا دن ادھر۔ ناظرہ' سلائی کڑھائی' کھانا پکانا سب تائی نے سکھایا تھا۔ سب سے پہلے ابا اور تایا کے بستر کاڑھے تھے' پیان نے دبا سا شکوہ اپنے لیے کیا تو اب اسی کی چادر بنا رہی تھی۔ یوں

www.urdupalace.com

اچانک اس کے آنے اور قریب سے گزر ترچھی نگاہ ڈالنے پر وہ جزبز ہوئی اور سوئی پور میں..... "اچھ" اس کے آگے بڑھتے قدم رکے، پلٹ آیا۔

زیادہ تو نہیں لگی ؟ انگلی دانتوں میں دابے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اس نے پل بھر دیکھا پھر تھیلا اس کے قریب رکھ دیا۔

"جب اٹھو تو یہ تنور میں بھون دینا! شام کو امرت، ارجیت کی دعوت ہے۔" وہ تھیلے کو تکتی ذرا توقف سے بولی۔

"تو امرت، ارجیت سے ذرا فاصلہ رکھا کر....."

"کیوں.....؟" اسے اچنبھا ہوا تھا۔

"پتا نہیں....." اس نے کندھے اچکا کے خفت بھرے انداز میں کہا۔

"وہ دونوں بہت عجیب ہوتے جا رہے ہیں، انہیں دیکھ کر میرا دل ڈرتا ہے..... بس اب تجھے ان سے دور ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"پاگل.....! اس نے گردن گھمائی۔ "اس کی بہن، تو تیری بڑی پکی سہیلی بنی پھرتی ہے، اس سے ڈر نہیں لگتا ؟"

"سہتی اس جیسی نہیں ہے۔" اس کی برجستگی پر وہ ٹوکتے ہوئے کہنے لگا تھا۔

"حالانکہ مجھے وہ لگتی ہے، آدھی نہیں پوری پاگل۔" وہ بچہ نہیں تھا کہ خود پر جمی اس کی حسرت بھری نگاہیں محسوس نہ کرتا لیکن جگری دوست کی بہن اور مبّرا کی سہیلی ہونے کے سبب در گزر کر کے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔ امرت، ارجیت کے حوالے سے مبّرا کے بے جا خدشے پر اس نے قہقہہ لگایا اور اندرونی کمروں کی جانب بڑھا، جاتے جاتے اسے "پریشان نہ ہوا کر" کی تنبیہہ کی اور اچھا پکانے کی یاددہانی کرائی۔

تائی ثریا مؤذن کی آواز پر باہر نکلی تھیں پیمان کی فرمائش سنتے ہی گھور کر بولیں۔

"پہلے اسے نماز پڑھ لینے دے۔"

"اماں ابھی تو اذان ہوئی ہے، گھنٹے دو گھنٹے تک وقت ہوتا ہے۔"

"وہ وقت نہیں ہوتا۔ مہلت ہوتی ہے۔"

اس کی حجت پر ان کی تیوری چڑھ گئی تھی "کبھی مسجد میں اذان کے گھنٹے دو گھنٹے بعد جماعت ہوتی دیکھی کہ چلو بھیا ابھی وقت رہتا ہے، اذان ہوتے ہی جماعت کھڑی ہوتی ہے، دیر تک مہلت تو اللہ نے اس لیے دی ہے کہ کسی مجبوری کی وجہ سے اس کے بندے کی نماز قضا نہ ہو بلکہ کچھ ٹھہر کر وقت ملے تو بندہ ادا کر لے، اولین وقت کی نماز اول ہوتی ہے..... اور تیری کون سی مجبوری ہے سکھوں کی دعوت؟" ان کے غصے کو وہ ناک چڑھائے سن رہا تھا۔ اور وہ اس کی خفگی کے سبب بے چارگی سے منہ بنائے کہنے لگی۔

"جلدی سے پڑھ کر، ابھی بھون دوں گی۔" وہ مسکرا کر اندر جانے لگا کہ ثریا کی آواز نے قدم روک دیے۔

"اندر کہاں جا رہا ہے، باہر نکل مسجد جا۔"

وہ اپنی گردن کھجا کر خجالت دور کرتا باہر کی جانب بڑھا تھا اور وہ گھڑولے کی اینٹوں سے بنی جالی میں اس کا گم ہوتا سراپا تکنے لگی۔ دل رک رک کر دھڑکتا تھا۔ کچھ تھا جو غلط ہونے جا رہا تھا۔ ہر وقت ایک بے چینی رہنے لگی، اب پہلے والے حالات نہیں رہے تھے۔ بچپن کا ساون، پھاگن بیت چکا تھا۔ جوانی کا جیٹھ، اساڑھ چڑھتا آ رہا تھا۔

تعلقات، بچپن کی محبتوں پر نادیدہ اوس دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ شہروں میں برسوں سے چلتی شورش زور پکڑتی گاؤں تک پہنچ چکی تھی۔ اس شورش کا سر پیر، مقصد کچھ واضح نہ ہو پاتا تھا۔ حکومتیں تو بنتی اور ٹوٹتی رہتی ہیں۔ مگر دیس، ملک کب بنتے یا ٹوٹتے دیکھے؟؟

پہلے پہل فرنگیوں کی آمد و رفت گاؤں میں بھی ہوتی رہتی تھی، کبھی اکیلے آتے تو کبھی چھوٹی سی جیپ نما ٹم ٹم پر ایک دو گوریاں بھی ساتھ بیٹھی ہوتیں۔ پھر وقت کے ساتھ ان کی آمد بڑھنے لگی۔ شورش بڑھنے پر جب کوئی نیا افسر یا وائسرائے آتا تو ٹھاکروں کے راج نگر کا چکر لازمی لگاتا تھا۔

کالے سیاہ قیمتی گھوڑوں کی ٹاپوں میں اس کی سفید

www.urdupalace.com

ٹم ٹم چلتی۔ تنگ گلیوں میں رتھ کے گرد سفید جالی لگا کر اس کی میم کو سیر کروائی جاتی۔ درختوں' باغوں سے اچھا پھل توڑ کر خدمت میں پیش کیا جاتا۔ اور وہ گلابی' نیلی' سفید جالی دار لمبی لمبی میکسی پہنے سر پر برطانوی کول ہیٹ سجائے' سچے موتیوں کی جھولتی مالا پہنے مسکرا مسکرا کر گاؤں اور گاؤں کی آبادی کو دیکھتی۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ سب پر ان کی اصلیت کھلنے لگی۔ تو ان کی مسکان کراہت زدہ لگتی۔ ان کی چمکتی نیلی' سبز آنکھوں میں ہوس جھانکتی تھی۔ جو ہر کسی کو محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور شاید ٹھاکروں' راٹھوروں کو تو محسوس نہ ہوتی تھی۔

اور وہی ان کے گرد زیادہ دکھائی دیتے تھے۔ ہاتھ جوڑے' کانپتے' مہاراج' مہاراج کرتے۔ ان کی خوشامدیں کرتے۔ ہری چرن کی کھاٹ سے خاصے فاصلے پر ریسٹ ہاؤس تھا۔ جب کوئی اپنی میم کے ساتھ آتا تو ایک آدھ دن وہاں قیام و طعام ہوتا اور گاؤں کے تمام حالات سے آگاہی کے لیے ہری چرن ساتھ ساتھ۔ کبھی پہلے وہ چھوٹی چھوٹی ضرورتوں' خواہشوں کے لیے اکثر صلاح' ضیاء کے پاس بھاگا آتا تھا لیکن 1940ء کے بعد اس کے چکر کم اور پھر بہت کم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ عرصے بعد اس نے ان کے کپڑے دھونے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اور امرت کا باپ بھی اب پہلے کی طرح اوطاق میں بیٹھا اونگھتا نہیں تھا' وقت کے ساتھ ان کے مزاج میں برہمی نمایاں ہونے لگی اور پچھلے مہینے نئی فصل آنے پر ضیاء نے گندم کی بوری اس کی طرف بھجوائی جیسے ہر نئی فصل آنے پر بھجواتے تھے۔ اگر کبھی بھول چوک سے رہ جاتی تو چھوٹا سا امرت شکوہ کرنے لگتا۔

"چاچا! آپ کی مونگ تو اس بار بہت اچھی ہوئی ہے' مگر آپ کا بھتیجا ابھی تک مونگ کی پنیوں کو ترس رہا ہے۔" وہ قہقہہ لگا کر ایک دھپ لگاتے۔

"تیری بوری اوطاق میں رکھی ہے' اپنے شیر و پر اٹھا کر لے جا' اور پنیاں میرے لیے بھی لانا۔" پنیاں تو جانے کبھی لایا تھا یا نہیں مگر ہر طرح کی فصل میں حصہ ضرور لیتا مگر اس بار پوری لینے سے صاف انکار کر دیا۔

"ہماری پہلی ہی ختم نہیں ہوئی۔"

ضیاء الدین کو بہت حیرانی ہوئی' کیا دلوں میں تیڑیں (دراڑ) آنی شروع ہو گئیں؟ ان کے دن بدن نیچے تلے رویے' لب و لہجے بتانے کو کافی تھے' تقسیم کا عمل دور نہیں' برصغیر پر انگریز تسلط وہاں کے باشندوں نے کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ راٹھوروں' ٹھاکروں نے دو تین بار زوردار لڑائیاں بھی کیں۔ چھوٹی موٹی جنگیں' تحریکیں شروع ہوتیں پھر بنا مضبوط سرپرستی کے دم توڑ دیتیں۔

لیکن پہلی عالمی جنگ کے بعد علی برادران کی تحریک خلافت نے خوب زور پکڑا۔ اس علاقے کی کمزور' ڈرپوک قوم اس تحریک کے پھیلنے سے خوف زدہ تھی۔ اس علاقے پر صدیوں مسلمان حکومت کر چکے تھے اور اگر پونی صدی کا فرنگی تسلط' جاتے جاتے سارا علاقہ پھر سے انہیں حکومت سونپ گئی تو ان کی قوم تو پھر پسپا ہی رہے گی' اسی خدشے کے پیش نظر اندرون خانہ سازشوں' فریب کاریوں کا جال بچھایا گیا اور شدھی تحریک کا آغاز ہوا۔

اس تحریک میں اسلامی بنیادوں کو بدعت کے ذریعے ہندوانہ مذہب کی طرف راغب کرنے کی ازحد کوشش کی گئی۔ لیکن عالم دین نے شدھی تحریک کو سنگھٹن تحریک کے ذریعے دبایا۔ یہ تحریکیں مخصوص علاقوں میں کام کرتیں اور ان ہی لوگوں کو متاثر کر رہی تھیں لیکن جب علی گڑھ کالج کے فارغ التحصیل طلباء نے باقاعدہ گاؤں گاؤں' قریہ قریہ جا کر تصور پاکستان اجاگر کیا تو لوگوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تھی۔ قوموں کے نظریات' اہمیت سامنے آئی۔ اور ان ہی دنوں الٰہ آباد میں ایک اجلاس ہوا اور باشعور افراد نے قرار داد پیش کی۔ وہ کچھ عرصے میں منظور بھی ہو گئی۔ اس کی منظوری پر ایک تعمیر یادگار ہوئی جہاں پر خوشی میں بہت بڑا جلسہ بھی ہوا تھا۔ اس جلسے میں شرکت کے لیے صلاح الدین' ضیاء الدین اپنے چند مسلمان دوستوں کے ساتھ لاہور گئے تھے۔ اپنے حقوق کے لیے کھڑے ہونا' اپنے عقائد و نظریات کے

www.urdupalace.com

ساتھ پر امن زندگی گزارنا' اپنی نسلوں کی بقا تھا گناہ نہیں۔ یہ کوئی جیت یا اعلان جنگ نہیں تھا جو وہ اپنے راٹھور' ٹھاکر' سنگھ برادران سے کنارہ کش ہوتے' بلکہ یہ ان کے بھی فائدے کی بات تھی۔ وہ اپنے نظریات و عقائد کے مطابق اپنے خطے میں زندگی گزاریں۔ فسادات سے پاک پر امن خطہ بن جائے۔ لیکن نسلوں سے چلتی تعلق داری' دوستی' محبت' آپس کا میل ملاپ ان کی ایک شرکت نے کنارے لگا دیا۔ رنداوہ سنگھ نے تب سے اوطاق میں آنا چھوڑ دیا۔ ملاقات پر لہجے میں واضح برہمی جھلکنے لگی اور تو اور اب موہن گیتا اور اس کی اولاد سے خوب راہ و رسم بڑھا لی تھی۔ ضیاء الدین' صلاح الدین کو اس بات کا دلی دکھ تھا۔ اسی نہج پر صلاح الدین نے پیان کو ان سے محتاط رہنے کا کہا تھا مگر اس کے نزدیک بچپن کی دوستی بڑی مقدس چیز تھی۔

"ابا! بچپن کی یاریاں بے اعتبار نہیں ہوتیں' تیرا وہم ہے...... مجھے امرت سے کوئی خطرہ نہیں۔"

بہادر' کڑیل' جواں ہوتے پیان کی سوچ اس کی صاف رنگت' کھلی پیشانی جیسی تھی۔ اٹھارہ سالہ پیان چوبیس پچیس سالہ مضبوط جسم والا نوجوان لگتا تھا۔ صاف ستھرا ماحول' خالص غذا۔ فکر سے آزاد زندگی' جو ایک بار دیکھ لیتا نگاہوں میں ستائش ابھرتی تھی' عقل و ذہانت میں بھی سب دوستوں سے آگے' گھڑ سواری' نیزہ بازی کے کتنے مقابلے جیت رکھے تھے مگر امرت سے مقابلہ کرنے سے وہ خود اجتناب کرتا تھا۔ غالباً امرت سے ہارنا نہیں چاہتا تھا اور اسے ہرا کر خوشی منانا دشوار تھا پچھلے ہفتے کی بات تھی۔ امرت اور ارجیت کے بے حد اصرار نیزہ بازی کا مقابلہ کیا اور سب سے پہلے پیان نے نیزے سے کلی اکھاڑی۔ اس نے گھنی ابرو اٹھا کر اسے استہزائیہ دیکھا تھا اور لمحہ بھر میں ہی اس کی آنکھوں میں سرخ لکیریں تنی' نتھنے پھولے۔ پیان ہنس دیا۔

"کیا ہوا یار' تیری فرمائش پر مقابلہ ہوا تھا...... اور میں کون سا جیتا ہوں' تیرا یار جیتا ہے۔" اس کی پیار بھری دھپ سے امرت کا مزاج قدرے معمول پر آیا مگر خاصی دیر خاموش رہا تھا۔ اب اتنی سی خفگی پر کیسے گمان ہوتا کہ سیاسی' جغرافیائی تبدیلی سے دوستی بے اعتبار ہو سکتی ہے۔

وہ بھنے بٹیوں کی دعوت دینے امرت کی طرف گیا تھا۔ وہ گھر کے بیرونی احاطے میں رنداوہ کے لیے حقہ کی چلم بھرتے بے اعتنائی سے بولا۔

"میرا پیٹ خراب ہے...... مجھے نہیں کھانے بٹیر۔"

"کیا ہوا؟" وہ اس کے کندھے پر دھپ لگاتے چارپائی پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ "کل تک تو تو ٹھیک تھا۔"

"لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے پیان' تو کل کی بات کر رہا ہے۔" چلم میں انگارے ابھی دہکے نہیں تھے سلگتے دھواں چھوڑ رہے تھے۔ پیان آنکھیں سکیڑتے مسکرا دیا۔

"زیادہ فلسفی نہ بن' چل حکیم شکورے کا چورن لے آتے ہیں۔"

"میں نے کہا ناں' مجھے نہیں کہیں جانا' تو اب جا۔" وہ درشتی سے کہہ' چلم اٹھا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس وقت پیان کو اپنا آپ وہاں بے وقعت لگا تھا۔ گھر کے بیرونی حصوں' صحن تک میں ان دونوں کا آنا جانا اک عام سی بات تھی۔ اور پیان تو بہت کم اس کی طرف آتا تھا۔ اکثر وہ ہی ان کے احاطے میں آجاتا تھا۔ لیکن جب بھی پیان اس کی طرف آیا' وہ ایسے کبھی اٹھ کر نہیں گیا تھا۔ کوئی چیز اندر دینی یا منگوانی ہو تو کسی کو آواز دے دیتا تھا مگر اب اس طرح اٹھ کر چلے جانا واضح اعلان تھا کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔ وہ کچھ دیر متذبذب سا کھڑا دیکھتا رہا' پھر نگاہ اندرونی کمروں کے دریچے پر کھڑی سہتی پر گئی۔ وہ ہمیشہ کی طرف مسکراہٹ سجائے اسے دیکھنے میں محو تھی۔ اس نے تلخ نگاہ اس پر ڈالی اور واپس مڑا۔ اک الجھن نے آگھیرا۔

"امرت نے ایسے کیوں کہا؟ ہو سکتا ہے اس کی طبیعت واقعی خراب ہو یا پھر چاچا رنداوہ نے کچھ کہا ہو۔ ابا بھی تو ہر وقت فاصلہ' فاصلہ کی رٹ لگائے رکھتا

www.urdupalace.com

ہے، ٹھیک ہے علاقے بٹنے والے ہیں، مگر دوستی تو نہیں بٹ سکتی... چلو پھر کسی وقت پوچھوں گا۔" وہ خود کو تسلیاں دے رہا تھا، مگر وہ تسلیاں زیادہ عرصہ نہیں رہیں۔ رویے کھل کر سامنے آنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

آتی گرمی کی بات تھی، رات میں کچھ خنکی ضرور تھی مگر راتیں ابھی ویران نہیں ہوئی تھیں۔ علی الصبح ہی راج نگر میں شور مچ گیا تھا۔ مولوی نظام علی، اس کی حاملہ بیوی اور بیٹے کو سانپ نے ڈس لیا۔ آبادی کے بہت سے مرد ان کے گھر جمع تھے۔ اکثریت مسلم تھی۔ چہ مگوئیاں، شور شرابا... نظام علی کی برادری اکٹھی اور گھر میں صف ماتم۔ ہر شخص غم زدہ اور حیران کہ وہ کمرے میں ہی تڑپ تڑپ کر مر گئے، آخر باہر کیوں نہ نکلے، کوئی تو بچتا۔ کیا ایک سانپ نے سب کو ڈس لیا۔ اب یہ اللہ ہی جانتا تھا ایک سانپ تھا یا کئی، گاؤں کا مشہور سراغ رساں کرم داس کھڑکی نوعیت اور سائز دیکھ کر نہ تک پہنچ جاتا تھا۔ وہ بہت دیر تک نشان دیکھتا رہا۔ کمرے میں سانپوں کے لوٹنے کی لکیریں ضرور تھیں مگر کمرے میں داخل ہونے یا باہر نکلنے کا نہ نشان، نہ سوراخ، ایک چوڑے پاؤں کی آنی چپل کے نشان تھے۔ بہت سنبھل سنبھل کر رکھے قدم، قدموں کے وزن سے لگتا تھا ہاتھوں میں کوئی قیمتی، کوئی محتاط سامان ہے۔ چوکھٹ کے قریب قدم گہرے تھے، وہ کچھ دیر وہاں رکا ہوگا؟ پھر ان ہی نشانوں پر ہلکا سا پاؤں سرکنے کا گمان تھا۔ غالباً" اس نے ارد گرد دیکھا ان ہی پر الٹے پاؤں واپسی کے قدم رک کر چلے گئے تھے۔ تو کیا کسی نے باہر سے کنڈی لگا دی اور کچھ دیر بعد کھول بھی دی۔ یہ کرم داس کی گہری سوچ تھی۔ وہ ان نشانوں کو چھڑی سے کریدتا، کھوجتا گھر سے بہت دور کھیتوں میں سے ہوتا، ہری چرن کے گھاٹ پر بہت سے قدم گھل مل گئے تھے۔ کرم داس کی نگاہ سامنے کھڑے چوڑے پیروں پر پڑی۔ نگاہ سرکتی اٹھی۔ چند پل نگاہ ہری چرن کی نگاہوں پر جمی رہیں۔ استفسار، کوئی بھانپ لینے کا اظہار محسوس ہوتا تھا۔ بہت سے لوگ پوچھتے پچھاتے کرم داس کے ساتھ چلتے یہاں تک آئے تھے۔ پیان سے صبر نہ ہوا وہ کرم داس سے استفسار کر رہا تھا۔

"چاچا پتا نہیں چل رہا؟ وہ یک لخت چونکا اور اپنی ایک عدد سے کی عینک سنبھالتے ہوئے کہنے لگا تھا۔

"مولوی صاحب کے گھر تک ایک ہی کھرا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ان ہی کا ہو۔"

"یہ کیا بات ہوئی چاچا؟"

پیان کو اچنبھا ہوا "مولوی صاحب کھسہ پہنتے تھے، گھراہوائی چپل کا ہے... پھر سانپ کا لہرا بھی نہیں، کوئی بات تو ہے، تیری سمجھ میں نہیں آئی یا تو بتانا نہیں چاہ رہا۔"

"نہیں، نہیں..." کرم داس نے انکار کیا... اور ہری چرن لوگوں کے پیچھے ہوتا مجمع سے غائب ہو گیا تھا۔ کرم داس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ نشان چوڑے چپٹے پاؤں کا ہے اور اکثر دھوبیوں کے پاؤں چوڑے ہوتے ہیں۔ امرت خوامخواہ ناک چڑھا کر بول پڑا تھا۔

"مولوی نظام بڑا کہتا تھا ناں، دوزخ میں سانپ، بچھو ہوں گے، یہ ہوگا، وہ ہوگا... تیرے گرونے وہاں سے بھیج دیا ہوگا، اسے درشن کرانے، جگ میں ہی دیکھ لے کیسے کیسے ڈستے ہیں... ہاہاہا..." پیان کو اس سے ایسی گھٹیا بات کی قطعاً" امید نہ تھی۔ اس نے سرعت سے نگاہ اٹھائی۔ وہ دن بدن بدلتا جا رہا تھا۔ اب وہ پہلے والا چودہ، پندرہ سالہ امرت رہا تھا نہ پہلی محبت نہ یاری، لفظوں میں درشتی بڑھتی جا رہی تھی۔ دو چار سال میں بہت تلخ ہو گیا تھا ان دونوں نے قریبی قصبے سے اکٹھے آٹھویں جماعت پاس کی تھی تب تک دوستی مثالی تھی۔ پھر جیسے جیسے حالات بدلے 47ء قریب آنے لگا امرت کا رویہ بدلتا جاتا تھا۔ مگر اس سال واضح بدلاؤ محسوس ہونے لگا تھا۔

چند مہینے پہلے کی بات تھی کسی ظالم نے قرآن پاک کے بہت سے اوراق شہید کر کے گھاٹ کی ندی میں پھینک دیے۔ علاقے کی مسلم آبادی غیض و غضب

www.urdupalace.com

میں تھی۔ مولوی نظام نے باقاعدہ لوگوں کو جمع کر کے احتجاج بھی کیا۔ لمبی لمبی تقریریں کیں بہت رویا۔ دعا کی اللہ سے معافی مانگی۔ اسی حوالے سے ایک دن ان دوستوں میں بحث ہو گئی تھی ارجیت ان دنوں نیا نیا کلکٹر بھرتی ہوا تھا۔ جب بات کرتا گردن اکڑ جاتی، سینہ پھول جاتا۔

"صحیفے ہی تو تھے، اس میں اتنا چیخنے کی کیا ضرورت ہے، اور لکھ لے نظامہ کہ یاد نہیں رہے اسے۔"

قریب حقہ پیتے ہری چرن نے قہقہہ لگایا۔ پیان کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

"زبان سنبھال کر..... ارجیت۔" وہ غرایا اور ہری چرن کو گھورا۔ "وہ ہماری مقدس کتاب ہے، اس کی حفاظت ہمیں اپنی جان سے بھی پیاری ہے۔"

"اچھا!" وہ استہزائیہ ہنسا۔ "پہلے تو نظامہ کہتا تھا اس کی حفاظت کا ذمہ تیرے رب کا ہے۔ پھر ہری چرن کے استہزائیہ گھومتے ڈیلے، ارجیت کے لفظ اس کو تپا گئے۔ اس نے لمحے میں ہی ارجیت کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ اس سارے عرصے میں امرت خاموش بیٹھا تھا مگر جیسے ہی دست درازی دیکھی میکانکی انداز میں اٹھا اور اس کے ہاتھ جکڑ لیے۔

"ہونہہ۔ جوانی کا خون ابل رہا ہے، مگر یہ نہ سمجھ اجیت اکیلا ہے، اس کا بھائی زندہ ہے ابھی۔" اس کا تنا سینہ، جتاتی آنکھیں، پیان کے لیے بہت تکلیف دہ تھیں۔ بچپن کا دوست، ہمیشہ بھائی کی طرح سمجھا، کبھی پہلے مذہب پر کوئی بات نہیں کی مگر آج اپنے اندر کی شیطانیت دکھا رہا ہے، پیان نے بہت دکھ سے اسے دیکھا تھا۔ ہری چرن ان دونوں کو وہاں سے ہٹا لے گیا۔

"یہ سارا فتنہ نظامے کا ہے، ہو جائے گا اس کا بندوبست۔" دھوبی بڑبڑا رہا تھا۔ کئی دن گزر گئے دوبارہ ان کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ بہت دنوں بعد سرِ راہ وہ ملا اک اجنبی کی طرح۔ اس نے حوالدار کی وردی پہن رکھی تھی۔ ان دونوں نے کئی بار قریبی شہر میں نوکری کی درخواست دی تھی، سرکاری دفاتر کے چکر لگائے، ہر بار جواب ملتا "جگہ خالی نہیں ہے۔" اب اچانک امرت کو مل گئی۔ کانوں کان پتا بھی نہ چلا۔ ویسے بھی تمام اداروں میں اکثریت راٹھوروں، ٹھاکروں، برہمنوں کی تھی۔

مسلمان بھی کوئی کوئی بھرتی ہو جاتا اور پھر سب خوشی مناتے۔ امرت کو نوکری مل گئی، خوشی میں شامل تو کیا کرنا تھا، بتانا گوارہ نہیں کیا۔ پہلے تو وہ نظر انداز کیے گزرنے لگا تھا مگر پھر پرانی مروّت کے تحت سرد انداز میں مبارک دے ڈالی۔

"تیری نوکری لگ گئی، تو نے بتایا بھی نہیں۔"

"تیری بھی لگ جاتی، اگر ان بے تکے جلسے جلوسوں میں وقت برباد نہ کرتا۔"

اسے اس کی بات بہت چبھی تھی، پہلے تو اس نے ایک دو جلسوں میں ہی شرکت کی تھی مگر اب ضد نے سر اٹھایا۔ ان دنوں علی گڑھ کالج کے طلباء بہت متحرک تھے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ جاتے، آزادی کی دی گئی تاریخ پر ڈٹے رہنے کا عزم پیدا کرتے۔ چند دن پہلے مولوی نظام کے گھر آئے، جمعہ کے خطبے کے بعد بہت سے معززین سے مشاورت کی، ایک رات کا قیام و طعام بھی کیا تھا۔ اس رات پیان بھی وہاں موجود تھا۔ اور آئندہ ان کے ہر جلسے میں مولوی صاحب کے ساتھ شرکت کی یقین دہانی بھی کرائی تھی۔

اگلا جلسہ ہفتے کے روز برابر گاؤں میں تھا مگر اس سے پہلے ہی مولوی صاحب کی حادثاتی موت ہو گئی۔ موت حادثہ یا سانحہ، وہ بھی پورے کنبے کے ساتھ۔ اتنے پر سوز لمحات پر امرت کا ہنسنا، پیان کے کانوں کی لوئیں سلگنے لگیں۔ وہ پہلی بار امرت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سامنے آکھڑا ہوا۔

"امرت تو ہوش میں رہ کر بات کر، یہ نہ سمجھ میں تیری وردی سے ڈر جاؤں گا۔"

"کیوں؟" اس کے چبا چبا کر بولنے پر امرت تڑخا۔

"نظامہ تیرا ماما لگتا تھا، یا میں اس کا ہاتھ پکڑ کر دوزخ میں ڈال آیا ہوں، جو تجھے اتنی تپ چڑھی ہے۔" پیان اس پر چڑھ دوڑنے کو تھا لوگوں نے بمشکل قابو کیا۔

www.urdupalace.com

"میں نے تیرے گرو کو آج تک کچھ نہیں کہا اور تو۔"

"او، تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔" امرت جوابا" گردن مار کر چلایا تھا۔ پیان کے سینے پر ہاتھ رکھے کتنے لوگ اسے قابو کر رہے تھے، وہ جھٹ چھٹ جاتا لیکن امرت وہاں سے چلا گیا تھا۔ پھر کس نے کھڑا ڈھونڈنا تھا، مولوی نظام علی کا معمہ بھی بہت سے معمے کی طرح دب گیا تھا۔ البتہ پیان کے دل میں ایک دیوار اٹھ گئی تھی۔ بچپن کی یاری، سارا خلوص اس کے نیچے کہیں دب گیا۔ اتنے لمبے عرصے کی دوستی پر صرف اسے دکھ تھا بلکہ پچھتاوا بھی تھا۔

"اس کے بجائے کسی کتے سے دوستی کی ہوتی، کم از کم وفادار تو رہتا۔"

☆ ☆ ☆

وہ صبح سے باورچی خانے میں لگی پوری دل جمعی سے کڑھی، خشکہ ابال رہی تھی۔ پیان کو کڑھی، خشکہ بہت پسند تھا۔ کڑھی میں پچ ہلاتے اس میں بنتے، پھٹتے بلبلے دیکھتے وہ خیالوں کی رو میں جانے کہاں سے کہاں گم تھی۔ وہ کب پیچھے آن کھڑا ہوا؟ بڑا سا بلبلہ یک لخت پھٹا اس کا چھینٹا اس کی سڈول کلائی پر آگرا۔

"اوچ، سس۔" اس کی سسکاری پر وہ تفکر سے آگے بڑھا تھا۔

"دماغ کہاں ہے تیرا۔" کلائی پکڑ کر اپنے دامن کے کنارے سے پونچھی، سپید نازک کلائی پر گلابی دھبہ بن گیا تھا۔ اس نے اپنی پوریں دھبے پر رکھیں اور ٹھنڈی راکھ چٹکی میں بھر کر اس پر چھڑکی تھی تاکہ آبلہ نہ بنے۔ مبرا کے کہیں بہت اندر تک ٹھنڈک اتر رہی تھی۔

"جلن کم ہوئی؟" استفسار پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی کلائی کھینچ لی۔ وہ بھی یک لخت سٹپٹایا۔ اور مڑتے ہوئے کہا۔ "دھیان سے کام کیا کر، جانے کیا سوچتی رہتی ہے۔"

کڑھی پر تیزپات، ڈوڈی مرچ کا تڑکا لگتے ہی سارے گھر میں خوشبو پھیل گئی۔ بڑی سی تام چینی کے تھال میں خشکہ کی تھالی، کڑھی اور اچار کٹوری اس کے سامنے رکھ گئی۔ کبھی یہ کھانا اسے سوغات کی طرح لگتا تھا، جس دن بھی بنتا، طاق میں پلیٹیں بھر بھر لے جاتا۔ کڑھی پر تیرتا دیسی گھی کا تڑکا، نتھنوں میں جاتی سوکھی میتھی، گرم مسالے کی خوشبو..... یک لخت وہ بے دردیاد آگیا تھا۔

"یار جو تیرے گھر کی کڑھی کا ذائقہ ہے ناں، پورے راج نگر میں نہیں ملتا۔" پیان کا دل کھانے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

"آخ۔" چاولوں بھرا چمچ پلیٹ میں پٹخ کر نفرت کا گھونٹ اندر انڈیلتا اٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ ٹرے وہاں دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ شیشے کار نگین پر اندہ لہراتی سہتی جانے کہاں سے آدھمکی۔ جب سے اس کی امرت سے تو تکار ہوئی تھی مبرا نے سہتی سے بھی فاصلہ کر لیا تھا۔ پیان باہر کے معاملات کبھی گھر میں آکر نہیں بتاتا تھا اور پھر امرت سے جھگڑا ناممکن۔ گلی محلے کے بچوں سے پتا چلا تھا۔

"باجی، مولوی صاحب کے گھر کے باہر پیان باؤ نے امرت جی کا گریبان پکڑ لیا تھا۔"

"کیوں؟" اس نے دل تھاما۔

"کھرے پر لڑائی تھی امرت جی نے کچھ کہا۔ بڑا غصہ کیا پیان باؤ نے..... لوگوں نے بڑی مشکل سے بیچ بچاؤ کرایا، گندی گالیاں دے رہے تھے ایک دوسرے کو۔" اسے بچوں کی باتوں پر کبھی یقین نہ آتا اگر پیان کا الجھا، خاموش رویہ محسوس نہ کرتی۔ پھر شام کو تائی ثریا نے تصدیق کے لیے پوچھ بھی لیا۔

"تو امرت کے ہتھے پڑا تھا۔؟"

"مجھے کیا ضرورت ہے، اس کتے کے منہ لگنے کی۔" اس نے کندھے پر رکھا صافہ جھاڑا اور اٹھ کر باہر جانے لگا۔

"دیکھ پیان الدین۔" تائی اس کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ "اب تقسیم کا وقت قریب ہے، وہ اور اس کے جیسے بار، بار الجھیں گے۔ تو ٹھنڈا رہا کر، گھر میں دیوار اٹھانا آسان نہیں ہوتا۔"

www.urdupalace.com

"کیوں۔" وہ دانت جما کر بولا۔ "اس کے باپ کا گھر ہے۔"
مبرا حق دق دیکھتی رہ گئی تھی! امرت کے بارے میں کبھی ایک لفظ نہیں سنتا تھا اور اب اتنی نفرت۔ حالانکہ امرت اسے خود بھی کبھی اچھا نہیں لگا تھا، عجیب گھٹیا لالچی سا۔ اور اب اپنی پرانی اور بہت پکی سہیلی صرف امرت کی بہن ہونے کے سبب چبھنے لگی تھی۔ حالانکہ سہتی خود بھی بھائی کے خلاف ہی تھی۔ کتنی بار تو وہ مبرا کو کہتی۔
"امرت کے مقابلے میں پیمان ہیرا ہے۔ اور ہیرے چھپے رہیں تو اچھا ہے۔" مبرا تب بھی اس کی بات ناگواری سے سنتی اور دن بہ دن انداز میں روکھا پن لے آئی، مگر وہ ڈھیٹ نہ تھی صرف آجاتی بلکہ پہلے کی طرح بے تکلف، ہنسی ٹھٹھول۔۔۔ اب بھی سیدھی چارپائی کے پاس رکی اور مبرا کو نروٹھے پن سے گھورا۔
"تو نے گڑھی خشکہ بنایا، اور میری طرف بھیجا بھی نہیں۔ بے دید، بے وفا۔" چارپائی پر پھسکڑا مار پلیٹ اٹھا کھانے لگی۔ مبرا گھور رہی تھی جس کے لیے بنائے اس نے چکھے بھی نہیں، اور وہ ندیدوں کی طرح ہڑپ کر رہی ہے۔
"گھور کیوں رہی ہے، نظر لگائے گی۔۔۔" اس نے اچار کی پھانک کھاتے ہوئے اسے استفہامیہ دیکھا اور پھر چٹخارہ لیتے کہا۔ "جا۔ جا کے ایک گلاس پانی لے کر آ۔" اس کے انداز پر وہ چڑ گئی۔
"جا کر پی لے۔ تیرے پیروں پر مہندی لگی ہے۔"
"ہا۔ آ۔ ہائے۔۔۔ جا دفع ہو۔" ہاتھ جھٹک، پلیٹ دھر۔۔۔ اٹھی۔ وہ گھڑولے کی جانب بڑھی کہ امرت چلاتا ہوا دندناتا اندر آگیا۔ آج سے پہلے وہ ہمیشہ کھنکھار کر "بوا ثریا۔" آواز دے کر اندر قدم رکھتا تھا۔ مگر آج لال پیلا ہوا جا رہا تھا۔ اسے پہلی نظر میں ہی سہتی دکھائی دی وہ اس کی جانب بڑھا۔ اور سہتی کو چٹیا سے پکڑ لیا۔
"کیوں مری ہے یہاں بے غیرت، نمک حراموں کے گھر۔۔۔ آئندہ آئی تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔" مبرا دوپٹا لپیٹتی سہم کر کئی قدم پیچھے ہو گئی تھی۔ پیمان، ثریا شور کی آواز سن کر باہر آئے تھے۔ امرت کی چیخ پکار اسے سلگا گئی۔ اس کے کانوں کی لو، کن پٹی کی رگیں، چہرے کی لالی اس کے شدید غصے کی غماز تھیں، وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔
تیری جرات کیسے ہوئی، میرے گھر میں شور شرابا کرنے کی۔۔۔ اور نمک حرام کسے کہا۔ نمک حرام تو تم ہو، ساری زندگی ہمارا کھاتے رہے، اب جدائی کے وقت آنکھیں ماتھے پر رکھ لی ہیں۔"
"او۔۔۔ بکواس بند کر اپنی۔" امرت نے نتھنے پھلائے چٹیا پر گرفت بھی سخت ہو گئی تھی۔
"بکواس تو بند کر۔ آئندہ یہاں قدم رکھا۔۔۔ تو!"
"کیا تو؟ تو نے بڑے یہاں خزانے داب رکھے ہیں۔" طنزیہ کہتے اس کی نگاہ پیمان کے پہلو میں کھڑی نازک سی مبرا پر رکی "غورا" لہجے میں تمام خباثت اتارتا اس پر آنکھیں جمائے بولا تھا۔
"ویسے۔۔۔ خزانے تو یہاں ہیں۔۔۔"
"الو کے پٹھے۔۔۔" پیمان نے اسے گریبان سے جا پکڑا۔ "اگر اس پر نگاہ بھی ڈالی، تو تیری آنکھیں نکال لوں گا۔"
"نگاہ! ہونہہ۔۔۔" سہتی کی چٹیا چھوڑ، جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑایا۔ "اگر تو نے جلسے، جلوس، نعرے بازی نہ چھوڑی، نگاہ تو کیا، ساری کی ساری کو اٹھا لوں گا۔"
"امرت۔۔۔!" پیمان کی دھاڑ سے در و دیوار لرز اٹھے تھے اس نے قریب رکھا تیز دھار کھرپا اٹھا لیا۔ ثریا، مبرا نے چلاتے ہوئے اسے کھینچ کر قابو کیا۔
"رب کا واسطہ تجھے پیمان۔۔۔ ٹھنڈا رہ۔۔۔"
سہتی الگ بھائی سے چیخ چلا رہی تھی۔ "امرت ہوش کر، وہ تیرا دوست، تیرا یار ہے۔ کچھ عرصے میں چلا جائے گا۔ چل یہاں سے، آئندہ کبھی نہیں آؤں گی۔ چل میرا ویر۔"
"ہونہہ۔" اس نے تضحیک سے تھوکتے ہوئے ہاتھ ہوا میں اٹھایا۔ "بڑا آیا، پی پی جگر ٹھنڈا کرنے والا۔" ہاتھ زور سے گھڑونچی پر رکھی صراحی کو مارا۔

www.urdupalace.com

چھنا کے سے مٹی کا کوزہ ٹوٹا۔ ٹھنڈے پانی نے سرخ گول اینٹوں کے فرش کو جل تھل کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کھلی فضاؤں میں چیل کوے بڑھتے جا رہے تھے جہاں کہیں شکار دیکھتے جھپٹ پڑتے۔ ان کا بچا کچھا گدھ نوچنے آجاتے۔ پورے ماحول میں بے ہنگم سا شور برپا تھا۔ معصوم چڑیاں' مینا سہم کر بیٹھی اپنی سہیلیوں کو بھی ترستیں۔ آج پھر وہ بڑی سی چادر اوڑھے چھپتی چھپاتی کوئی تیسری بار صراحی لے کر آئی تھی۔ سرخ ہنیلی' سفید' پیلے پھول پتوں کی رنگین صراحی۔

"مبرا' تو میری سہیلی ہے' ناں... رکھ لے اسے۔ پیان کو گھڑے کا پانی پسند نہیں ہے۔"

"تو' تیرا کیا خیال ہے' یہ بات مجھے نہیں پتا' تیرے سے پہلے اسی دن میں نے یہاں صراحی لا کر رکھی تھی' مگر وہ کہتا ہے' اب کبھی صراحی کا پانی نہیں پیے گا' تو نہیں پیے گا' تو جانتی ہے نا وہ اپنی بات کا کتنا پکا ہے۔"

"یہ تو صحیح ہے مگر...؟ وہ پیاسا رہتا ہو گا' تو کہیں چھپا کر رکھ دے' چپکے سے اس کا پانی دے دیا کر۔" وہ صراحی زمین پر رکھتے ہوئے منمنائی تھی۔

"اچھا! جیسے وہ بچہ ہے۔" وہ جتا کر بولی تھی۔ "میں یہ سب کر کے دیکھ چکی ہوں اور یہ بتا' تو کیوں اتنی ہلکان ہو رہی ہے' کیا لگتا ہے تیرا..." اس کی تفتیشی نگاہ پر وہ جز بز ہوئی۔

"میرا... میرا کیا لگتا ہے۔ جو لگتا ہے' تیرا ہی لگتا ہے۔"

"چل پھر یہ اٹھا۔" مبرا نے ابرو اٹھا کر صراحی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ "اور جا... وہ آجائے گا۔" اس کی کاجل بھری آنکھیں پانی سے لرزنے لگی تھیں۔

وہ گنا چھیلتا گھر میں داخل ہوا تھا۔ کانوں تک آتے گھنگھریالے بال' چوڑے شانے' کھلا رنگ' آسمانی کرتے میں وہ مضبوط جوان لگتا تھا' وہ لمبے ڈگ بھرتا صحن عبور کر رہا تھا جب اس کی نظر رنگین نیشوں سے سجی نارنجی اوڑھنی پر گئی۔ وہ فوراً" سمجھ گیا تھا۔ ہونا ہو... یہ سہتی ہے۔ اس نے گنا ایک جانب پھینکا اس کا پھوک تھوکا۔

"کیوں آئی ہے یہ...؟" اس کی گمبھیر تا آواز کاٹ دار تھی۔ اس نے چونک کر پیچھے دیکھا گلابی ہونٹوں میں نارنجی اوڑھنی کا پلو' آنکھوں میں ٹمٹماتا پانی...

"یہ... صر... صراحی..." وہ بمشکل بولی تھی۔

"یہ تیری یا تیرے بھائی کی بھول ہو گی سہتی کہ میں صراحی کا پانی پیے بنا تڑپ کر مر جاؤں گا' صراحی نہیں تو گھڑا' نلکا' ندی' نالہ' جوہڑ کوئی سا بھی پانی پی کر جی لوں گا' پیاسا زندہ رہ لوں گا۔ میرا پانی ضائع کر کے جو سمجھتا ہے نا ڈر جاؤں گا پیاس سے... اس کی بھول ہے۔ صرف بھول... جو اس نے سوچ رکھا ہے نا ہندوستان پر فرنگی کے بعد راٹھور' ٹھاکروں کی حکومت... وہ کبھی نہیں ہو سکتی' بتا دے اسے' ہم لہو دے کر وطن بنا لیں گے' پانی کیا چیز ہے... پاکستان بنے گا ان شاء اللہ ضرور بنے گا۔ ہونہہ۔" اس نے جاتے جاتے صراحی کو زور سے ٹھوکر ماری۔ وہ گول گھومتی زمین سے ٹکرائی' اس کا بیل دار اونچا منہ چیخ کر ٹکڑے ہو گیا۔ دو موٹے سے آنسو رخساروں پر بہہ گئے تھے۔ وہ زمین پر بیٹھی چیختی صراحی اور ٹکڑے سمیٹ رہی تھی۔ مبرا نے بھی اپنے آنسو بہت مشکل سے روکے تھے۔ اپنے گھر میں یوں اپنی سہیلی کی بے وقعتی وہ بھی صرف اس کے بھائی کی وجہ سے' اس کی برداشت سے بالکل باہر تھا۔ وہ اس کے شانے سہلاتی اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"سہتی تو یہاں مت آیا کر' پیان کا تجھے جھڑکنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اس نے چادر سے آنسو اور ناک پونچھتے ملجگی نگاہ اٹھائی' مبرا نے اسے گلے لگا لیا۔

"تو امرت کی بہن ہے اور امرت... کیسے آنکھوں میں خون لیے پھرتا ہے' بچپن کی یاری' دوستی کسی بات کا خیال نہیں' صرف ملک بٹنے سے وہ اپنے جگری دوست کا دشمن بن گیا۔"

"مبرا یہ صرف نہیں ہے۔" اس نے سر اٹھا کر مبرا کے چہرے کو ٹٹولا' اپنا ہاتھ اس کے رخسار پر رکھا'

www.urdupalace.com

دوسرے رخسار سے رخسار جوڑ لیا۔ "یہ ذرا سی بات نہیں ہے، گھروں میں دیواریں اٹھ رہی ہیں، آپس داری، بچپن کی سکھیاں بچھڑیں گی، سرحدیں قائم ہوں گی بہت دوری آجائے گی... مبرا۔"

"ستی، جب زمین کسی ایک قوم و فرقے کے لیے تنگ کردی جاتی ہے نا پھر وہاں دیواریں تو اٹھتی ہیں، سرحدیں کھنچ جاتی ہیں۔"

"کیسی تنگی مبرا...؟ سب کچھ تو ہے تمہارے پاس۔ کھیت کھلیان... گھر، رشتے۔"

"ہاں... بچے کھچے کھیت... آدھے سے زیادہ تو موھن گپتا نے قبضے میں لیے۔ کسی نے انصاف دیا ہمیں، الٹا چپ کرایا... ارجیت کلکٹر لگ گیا۔ امرت کو حوالداری مل گئی اور پیمان وہ بھی تو اتنا ہی پڑھا لکھا ہے، اسے کیوں نہیں ملتی نوکری...؟ کیوں کہ وہ مسلمان ہے، شہر کے اسکولوں میں انگریزی، سنسکرت کو اہمیت دی جارہی ہے، اردو پہ کیوں پابندی ہے، مسلمانوں کے گھر جل رہے ہیں، دین کی بے حرمتی ہو رہی ہے، ہر جگہ ہمارے رستے تنگ اور تو کہتی ہے ہم آزادی کی بات نہ کریں۔"

اس نے سسکتے ہوئے "مبرا" کہا اور گلے میں بانہیں ڈالے لپٹ کر رونے لگی۔

"اپنی جنم بھومی پر سرکار سب کو برابری پر رہنے کیوں نہیں دیتی؟ اپنے بچپن کے سنگی ساتھی سے کتنی یادیں، محبت ہوتی ہے، کتنا مشکل ہے ان کے بغیر جینا..." وہ کراہتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "مبرا... تم نہ جانا... گرو کے واسطے تم لوگ مت جانا، میں تو مرجاؤں گی اگر تم لوگوں کو نہ دیکھا۔" اور دل پکار رہا تھا۔ "پیمان کو نہ دیکھا تو۔"

"کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا، پگلی... اپنی آئی پر جاتے ہیں اور جب حالات اچھے ہوں گے، ہم آتے جاتے رہیں گے... ایک دوسرے کو یاد کریں گے، خط لکھیں گے۔" دونوں لڑکیاں بہت دیر روتی رہی تھیں۔ ایک کے آنسو آنے والی آزاد فضاؤں کی امید و بیم کے لمحات کے تھے، کہیں کہیں سہیلی کا دکھ بھی تھا، مگر دوسری کی سسکیاں صرف بچھڑنے کی تھیں، جانے کس سے؟ کیا خوف، کیا اندیشے؟

☆ ☆ ☆

کونے میں بنے باورچی خانے میں وہ بہت دیر سے کام میں مشغول تھی۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی غیر محسوس طریقے سے سارے گھر کے کام آہستہ آہستہ اپنے ذمہ لے لیے۔ صبح سب سے پہلے اٹھتے ہی سارا گھر صاف کرلیتی، برتن دھو کر ٹھکانوں پر رکھتی، جب تک سب افراد اٹھتے وہ ناشتا تیار کرچکی ہوتی۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی باتوں باتوں میں زہرہ کے ساتھ سبزی بنالیتی، روٹی بھی وہ تو کبھی زہرہ اتار لیتی تھی۔ بچوں کے اسکول سے آتے ہی بھاگ بھاگ ان کے کام کرتی۔ ان کے منہ چومتی۔ پھوپھی مختاراں دو ماہ رہ کر واپس اپنے گھر جانے لگی جب بی بی سے چلنے کو کہا۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"ماسی مجھے زہرہ اور بچوں کے پاس چھوڑ دے۔"

زہرہ تو سنتے ہی کھل گئی۔ اس کے آجانے سے اسے بہت آرام ہوگیا تھا۔ کب کیسے سارے کام ہوجاتے، وہ آرام سے پڑوس میں ملنا ملانا بھی کرلیتی۔ اس نے بھی پھوپھی سے فرمائش کی۔ برسوں بعد اس نے فرمائش کی تھی، وہ مان گئی۔

درمیان میں ایک دو چکر لگائے، مگر بی بی کا دل ایسا یہاں لگا وہ کہیں جانے کو تیار نہ تھی۔ بچے بھی اس سے بہت مانوس ہوگئے تھے چھوٹا فیضان اس کی جلی ہوئی جلد سے ڈر جاتا۔ ڈرتے ڈرتے کوئی چیز پکڑتا، پکڑاتا۔ چونک بڑے بھی جاتے تھے اگر کبھی یک لخت سامنے آجاتی۔ رنگت اچھی خاصی گہری سرخ سانولی تھی، لیکن دس سالہ عثمان اور خاص کرام ہانی کی اس سے بہت دوستی ہوگئی۔ اس کے پاس بیٹھی قصے کہانیاں سنتی، پال بناتی جب وہ باورچی خانے میں ہوتی تو کھانا پکانے کے طریقے پوچھتی رہتی۔

ام ہانی اس کے قریب چوکی پر بیٹھی باتیں مٹھار رہی تھی۔ اس نے کڑھی دم پر رکھی۔ دم لگا خشکہ اتار کر

www.urdupalace.com

نیچے رکھ دیا۔ وہ سفید لٹھے کے سوٹ پر سیاہ واسکٹ پہنے ابھی دفتر سے واپس آیا تھا۔ وہی بارعب سراپا، چوڑی اٹھان آج بھی کسی کو اپنے پیچھے پاگل کر سکتا تھا۔ وہ قدم قدم بڑھتا اس کے قریب سے گزرا "السلام علیکم" اس کی بھاری آواز پر کڑھی میں بنتے پھٹتے بلبلے کی مانند اسے اپنا دل پھٹتا محسوس ہوا۔ اس نے رخ پھیرتے ہوئے سر کے خم سے جواب دیا۔

وہ پہلے اپنے کمرے میں گیا پھر کپڑے اٹھائے غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد تازہ دم ہو کر صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ زہرہ اس کے پاس آ بیٹھی اور فیضان کا بازو کھینچ کر باپ کے سامنے کیا۔ روزانہ کی طرح شکایتیں شروع کر دی تھیں۔ وہ اس کی کسی بات پر مسکرا دیتا، کسی پر فیضان کو گھور کر دیکھتا۔ کڑھی کے تڑکا لگنے کی خوشبو پر وہ لمحہ بھر کے لیے چونکا تھا پھر باتیں کرنے لگا۔ اس نے ایک بڑی ٹرے میں چاول، کڑھی، سلاد اور پانی رکھ کر امہانی کو تھمائی۔

"جا اپنے ابو کو دے آ۔" اس نے ٹرے پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

"بی بی ایک کٹورے میں شکر اور گھی بھی ڈال دو، ابو کڑھی نہیں کھاتے۔"

"کیا۔۔۔!" اس نے حیرت سے دیکھا اور غیر ارادی نگاہ قدرے فاصلے پر بیٹھے سائیں پر گئی۔ اب وہ فیضان کے گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں پھنسائے اسے چھیڑ رہا تھا۔ نگاہ پلٹ آئی۔

"کیوں، کیوں نہیں کھاتے۔۔۔؟"

"وہ کہتے ہیں کڑھی سب کو پکانی نہیں آتی۔"

"صحیح کہتے ہیں۔۔۔ وہ تو کوئی اور ہی تھی جس کی کڑھی سارے گاؤں میں مشہور تھی۔"

اس کی بڑبڑاہٹ پر ہانی نے پوچھا۔ "بی بی کیا کہا۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ جا تو یہ لے جا۔۔۔ اگر پسند نہ آئی تو گھی شکر لے جانا۔" شرمیلی سی ام ہانی نے ٹرے باپ کے سامنے رکھی تھی۔ پہلے نوالے پر ہی وہ پل بھر کے لیے دم بخود رہ گیا۔ اک استفہامیہ نگاہ اٹھا کر زہرہ سے پوچھا۔

"تو نے پکائی ہے۔"

"نہیں۔۔۔ بی بی نے بنائی ہے۔" اک ترچھی نگاہ دور اس لڑکی کی پشت پر گئی تھی جو چولہے میں بجھی راکھ کو تنکے سے کرید رہی تھی۔ وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"اس کے ہاتھ کا ذائقہ بہت مانوس سا ہے۔"

"ہاں کہتی ہے اسے اور اس کی سہیلی کو کام کرنے کا بہت بچپن سے شوق تھا۔ دونوں نے مل کر بہت جلدی سارے کام سیکھ لیے تھے۔" وہ کھانا کھاتے آہستہ آہستہ اثبات میں سر ہلاتا رہا۔ کئی بار نگاہیں اس پر ڈالیں، وہ جوں کی توں جھکی بیٹھی تھی۔ پتا بھی نہ چلا کب پلیٹ صاف ہو گئی۔ زہرہ بھی حیران رہ گئی۔ پھر تو کئی بار اس نے خود کہہ کر کڑھی خشکہ بنوایا۔ جیسے وہ کڑھی کے ذائقے پر ٹھٹکا تھا اسی طرح کئی اور ذائقے چونکا دیتے کھانے تو کھاتے ہی اور کئی معمول کے معاملات تھے وہ پل بھر کے لیے دم بخود رہ جاتا اور پھر ساری رات بے چین کروٹوں میں گزرتی، صبح آنکھوں کے گرد لالی اس کے رت جگے کی چغلی کھاتی۔

سائیں نے کئی بار زہرہ سے پوچھا تھا۔

"تم نے پوچھا اس سے، کس علاقے کی ہے۔"

اس کے بارے میں جو تھوڑا بہت مختاراں کو پتا تھا زہرہ کو بتا دیا اور زہرہ نے میاں کو، لیکن اس سوال پر اس نے ناک ہونٹ ناسفانہ پھیلائے۔

"کہتی ہے علاقہ یاد نہیں، بس چار افراد تھے گھر کے، سب آگے پیچھے ہو گئے، بے چاری کسی سہیلی کے ذکر پر گم صم ہو جاتی ہے۔"

"آہ۔۔۔!" سائیں نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔ "زہرہ وہاں کی یادیں ہیں ہی گم صم کر دینے والی، بڑا کرب ہے اس ہجرت میں۔" اس کے چہرے کی اذیت و کرب کی لکیریں زہرہ کے دل میں انی کی طرح پیوست ہو جاتی تھیں۔ وہ اس کے کرب سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔ سائیں نے پہلی رات ہی بنا کسی لگی لپٹی کے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"میں یہ نہیں کہتا میں تیری عزت نہیں کروں گا،

www.urdupalace.com

حفاظت نہیں کروں گا تو میری عزت ہے، ذمہ داری ہے، لیکن مجھ سے یہ مت چاہنا کہ وہ میرے دل سے نکل جائے گی۔ اس کی خوشبو میرے خون میں تیرتی ہے، اپنی آخری سانس میں بھی اسے دیکھنے، پانے کا تمنائی رہوں گا۔" اس نے لب کچلتے بھر آئی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بہت ڈرتے ڈرتے اپنے نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں پر رکھ دیے۔

"لیکن سائیں کوشش تو کر سکتی ہوں....نا....؟" اس نے اس دن پہلی بار اسے سائیں کہا تھا جب سے وہ اب تک سائیں ہی تھا۔

"ہاں! کر لینا.... میں تیری کامیابی کے لیے دعا کروں گا، لیکن مجھے یقین نہیں ہے۔" اس کی درد سے مندی گہری آنکھوں پر اس نے اپنا گھونگھٹ پھیر لیا۔

☆ ☆ ☆

پاکستان آجانے کے بعد وہ بالکل بے آسرا ہو گئی تھی۔ باپ بھائی راستے میں مارے گئے۔ بوڑھی ماں کے ساتھ ایک مندر نما حویلی کے ایک کمرے میں رہنے لگی۔ ایک سال میں ہی ماں کو ٹی بی ہو گئی، خون تھوکنے لگی، واحد رشتے دار پھوپھی تھی، اس کا پتا نہ چلتا تھا۔ برابر کمرے والی ثریا خالہ جب بھی اس کی ماں کی عیادت کو آتی اس لڑکی کو دیکھ کر بہت ترس آتا تھا۔ ایک دن اس کی ماں نے روتے ہوئے ثریا کی منتیں کیں۔

"میں مر گئی تو لوگ اس کو نوچ کھائیں گے، تو میری بیٹی کی عزت بچا لے۔" انہوں نے ویسی ہی منتیں پیمان کی بھی کی تھیں، مگر وہ مان کر نہ دیتا تھا۔

"جانے والوں کو بھول جاتے ہیں پیمان....؟"

"اس کے چلے جانے پر میرا دل راضی نہیں۔"

"دل کا کیا ہے۔" ثریا نے اس کی پشت کو سہلایا۔ "دل حقیقت کب تسلیم کرتا ہے، یہ تو خواب دیکھنے کا عادی ہے۔" دو سال بعد ثریا کی بے تحاشہ منتیں، فریاد کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی اسے راضی ہونا پڑا۔ غالباً زہرہ کی ماں مر گئی تھی اور وہ بے آسرا ہو گئی۔ شادی کے بعد اس نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ پندرہ برس گزر گئے تھے۔ اتنے عرصہ بعد بھی اس کے چہرے پر وہی پہلی رات والا کرب دیکھ کر اس کا دل پاتال میں اتر جاتا پھر وہ اپنی کوشش اور باتونی فطرت سے فوراً اس کے درد کو یہ کہہ کر نکالتی۔

"چلو سائیں، اللہ پاک جانے والوں کو بخشے۔" پھر بچوں میں الجھا دیتی۔ اپنی اولاد سے محبت فطری جذبہ ہے۔ وہ بھی ان کے خوب لاڈ اٹھاتا، لیکن کسی کسی معاملے پر اڑ جاتا تھا۔ عثمان کے روٹھنے اور ضد کرنے پر بھی اسے اس کی مرضی کا میمنا لے کر نہیں دیا تھا بلکہ جو سفید خود کو بھایا، وہی لے کر دیا۔ عثمان منہ پھلائے اس کی رسی تھامے ڈھیلے قدموں سے گھر میں داخل ہوا تھا اور شام کو ماں اور بی بی کے پاس بیٹھا شکوے کر رہا تھا۔

"مجھے سفید اور بھورا پسند آیا تھا، ابو نے وہ لے کر نہیں دیا۔"

"یہ بھی بہت پیارا ہے، سفید دودھ جیسا۔" بی بی میمنے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

"تجھے پتا تو ہے، ابو کو ڈب کھڑبی چیزیں پسند نہیں.... ایویں ضد کر رہا ہے۔" ام ہانی کے لفظوں پر بی بی کی سلوٹ زدہ آنکھیں پوری کھل گئیں۔ کھردرا سیاہ ہاتھ نرم براق بالوں سے پھسل کر نیچے جا گرا، پھر تریاق نگل جلد سنبھل گئی۔ ویسے بھی اسے جلد سنبھلنے کی عادت ہو گئی تھی۔ عثمان کو خوش کرنے کے لیے اس نے میمنے کی خوب خاطر کیں۔ وقت کے ساتھ وہ اچھا خاصا پلا ہوا بکرا بن گیا۔ بی بی کو دیکھتے ہی اچھلتا دونوں اگلی ٹانگیں اٹھا کر چھنکتے گھنگھروں والے کھر دھم سے نیچے مارتا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے شیرو کے ٹاپوں کی آواز ریسٹ ہاؤس سے ہوتی نہر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ ضیا الدین کھیتوں کو پانی لگانے کے بعد گھر کی جانب چل

www.urdupalace.com

پڑے۔ سورج ان کی پشت کی جانب قدرے نیچے ہوتا جاتا تھا۔ نماز عصر قضا ہونے کے خدشے سے انہوں نے اپنا پھاوڑا قریب رکھا اور نہر پر ہی وضو شروع کر دیا۔ شیرو کی عنابیں کھینچنے سے ہنہنانے کی آواز انہیں بالکل اپنے عقب میں محسوس ہوئی۔ مڑ کر دیکھا۔ امرت چہرے پر رعونت سجائے مونچھوں کو تاؤ دیتا بیٹھا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے شیرو کی باگیں اتنی زور سے کھینچیں کہ اس کی گردن بھی اسی طرح تنی، منہ بے بسی سے کھل گیا۔ وہ شیرو کو کبھی دو قدم آگے، کبھی دو قدم پیچھے کرتا مسخرانہ ہنسا۔

"سنا ہے چاچا تو سیالکوٹ حج کر کے آیا ہے۔"

ضیا الدین نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ "تو کیا جانے حج، نماز۔۔۔ جا، جا کر اپنا کام کر، میری نماز قضا ہو رہی ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔"

اس نے لگامیں ڈھیلی چھوڑتے ہوئے تنفر سے نتھنے پھلائے۔ "ہمارا ہندوستان قضا کر کے تجھے اپنی نمازوں کی پڑی ہے چاچا۔۔۔"

"نہ کس بات کا تنتا ہے تجھے امرت۔" وہ گیلے بازو پر آستین برابر کرتے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

"جانتا ہے نا تو، کس پر سوار ہوا تن رہا ہے۔" ان کا جتلاتا انداز اسے سیخ پا کر گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے تضحیک آمیز غرایا۔

"ہاں، ہاں یاد ہے اور تیرا تحفہ ہی تیری قضا بنے گا۔" وہ یک لخت اتنی تیزی سے ان سے بھڑ کر گزرا کہ ضیا الدین کو سنبھلنے کا موقع تک نہ ملا۔ وہ لڑکھڑائے۔ امرت جاتے جاتے تانبے کی رکاب میں پھنسا پاؤں پوری قوت سے ان کی کن پٹی پر مار کر گزرا۔ بوڑھے ضیا الدین کے ماتھے سے اک خون کا فوارہ ابل پڑا۔ وہ زمین پر گرے، گھوڑے کا سم ان کے ہاتھ پیر رگیدتا آگے بڑھ گیا۔ بچپن کے تقابل بھی عجب ہیں چلنا سیکھتے ہیں تو سب سے پہلے چاند، سورج کی رفتار سے مقابلہ، پہلے کون پہنچے گا۔ نہر کے تیز دھارے سے دوڑ۔۔۔ وہاں بھی کئی بچے ربر کا ٹائر ڈنڈے سے گھماتے نہر کی تیز لہر کے ساتھ ریس لگاتے آ رہے تھے۔ جو بچوں میں نسبتاً بڑا اور قدرے آگے تھا وہ خون میں لت پت تڑپتے ضیا الدین کو دیکھ کر پہلے ٹھٹکا پھر چلایا۔

"ضیا چاچا۔۔۔" پھر بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے گئے۔ خون رکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ گھر لے جانا بے وقوفی تھی۔ پیان کو پیغام بھیج کر بلایا تھا۔ تب تک ضیا الدین اتنے نڈھال ہو گئے کہ غشی سے زبان ساتھ چھوڑتی تھی۔ حکیم شکورے کا مطب کئی دن سے بند تھا۔ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ بلکہ وہ کیا بہت سے مسلمان گھرانے اچانک سے غائب ہو جاتے۔ شاید خاموش ہجرت شروع ہو چکی تھی۔ غالباً کچھ لوگ فضا میں بدلی بو سونگھ لینے کی صلاحیت زیادہ رکھتے ہیں اور شکورا تو حکمت سے بھرا تھا۔

شہر میں ایک چھوٹا سا اسپتال تھا اور شہر زیادہ دور بھی نہیں تھا، لیکن وہاں لے جانے کے لیے کسی تیز ریڑھے یا ٹم ٹم کا ہونا ضروری تھا۔ کہار روتے کابیل بیمار تھا زیادہ چل نہیں سکتا تھا اور پیان کے گھوڑے پر لے جانا ناممکن، صلاح الدین نے سواری کے انتظام کی کوشش کی۔ ریسٹ ہاؤس بھی گئے شاید کوئی بندوبست ہو سکے کچھ لوگوں نے وہاں سے ٹم ٹم جاتے دیکھا تھا، مگر وہاں پہرے پر بیٹھے ایک ٹھاکر اردلی نے صاف کہہ دیا۔

"او میاں، صاحب آرام کر رہے ہیں، ہم اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔"

"تو جگاؤ انہیں۔"

صلاح الدین نے ہاتھ جوڑے۔ "کچھ دیر کے لیے سواری دے دیں، ہم زیادہ کرایہ دے دیں گے، میرا بھائی خون میں نہا رہا ہے۔"

"کیا ہم نے نہلایا ہے؟ جاؤ یہاں سے، خود ہی مرہم پٹی کر لو، ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کا ہتک آمیز رویہ پیان کی برداشت سے باہر تھا۔ آج سے کئی برس پہلے چاچی زینب (میرا کی ماں) دردزہ سے تڑپ رہی تھی۔ دائی نے بھرپور کوشش کے بعد کہہ دیا۔

"شہر یا برابر گاؤں دوسری دائی کے پاس لے جاؤ، میرے بس کی بات نہیں۔" سواری کا بندوبست اس

www.urdupalace.com

وقت بھی مشکل تھا۔ کسی نے بیل گاڑی تک نہ دی۔ چارپائی پر ڈال کر برابر گاؤں تک لے جا رہے تھے۔ بمشکل آدھا راستہ طے ہوا تھا جب وہ مردہ بچے کو جنم دے کر ابدی پرسکون نیند سو گئی۔ پیان اس وقت گیارہ برس کا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں تھی کہ چاچی چارپائی پر کیوں گئی، کیوں تڑپی، ہاں اتنا یاد تھا اس کے ٹھنڈے وجود اور پہلو میں معصوم پھول کو دیکھ کر سارا محلہ تڑپا تھا اور آٹھ سالہ مبرا کی آنکھوں میں ٹھہرا نمکین پانی آج بھی یاد آجاتا تھا۔ پھر اپنی آنکھوں دیکھے کتنے واقعے کوندے کی طرح لپکے تھے۔

رام چند لوہار کا دن بدن بڑھتا تاپ دماغ کو چڑھ گیا تھا اسے فریڈی نائیکل (فرنگی آفیسر) نے اپنے گھوڑے بان کے ساتھ شہری اسپتال علاج کے لیے بھیجا تھا۔ مستری راج پت ریسٹ ہاؤس کی مرمت کے دوران گرا، ٹانگ ٹوٹی اس کے لیے ٹم ٹم کا انتظام ہو گیا تھا۔ امرت کی ماں کو ٹی بی تھی کتنی بار اسے شوفر کے ساتھ شہر آتے جاتے دیکھا۔ عبدالغفور نان بائی روز کا سینکڑوں روٹی لگانے والا جانے کیسے تنور میں گر گیا، کسی نے دشمنی میں دھکا دیا یا امر ربی، 40ء سے 47ء تک کے سفر میں ایسے امر ربی بہت عام ہو گئے تھے پتا ہی نہ چلتا کون، کیسے، جل گیا، مر گیا، کوئی مسلمان مسافر نہر کنارے پھسل کر ڈوب مرتا، کوئی بے احتیاطی میں ابلتے چونے کے ڈرم میں جا گرتا، کوئی اپنے کنبے سمیت چولہے میں رہ جانے والے بجھے انگاروں سے ہی راکھ بن جاتا اور نہیں تو چارہ کاٹنے کی مشین سے ٹکرا کر مرتا۔ بالکل اسی طرح عبدالغفور بھی جھلس گیا۔ وہ تنور سے معجزۃ" سانس لیتا نکلا تھا، مگر بروقت سواری کا انتظام نہ ہونے سے وہ شکورے کے مطب میں دم توڑ گیا۔ بالکل نہر، چونے، مشین میں گرے، جھلسے خاکی بدنوں کی طرح، زینب کی طرح اور ضیاالدین کی طرح پیان نے نتھنے پھلاتے جبڑے جمائے اور اردلی کو دبوچ لیا۔ وہ گندی گالی دے کر چلایا تھا۔

"اوئے..... تو جگاتا ہے..... یا۔" شور سے لونیسن مارک کی آنکھ کھلی، وہ کسمساتا جمائی روکتا باہر نکلا، پوری بات سنی۔ شوفر، ٹم ٹم دینے کے لیے نیم رضامند سا لگتا تھا، مگر عقب سے آتی نوعمر لڑکے کی آواز شاہد تھی۔

"ضیا چاچا کا سورج ڈوب گیا ہے۔" سانپوں کو آستینوں میں پال کر دودھ پلایا تھا۔ انہوں نے ڈسنا تو تھا ہی، جنہیں اپنے منہ کے نوالے کھلاتے رہے انہوں نے حلق میں انگوٹھے ٹھونس دیے تھے۔

اتنی جلدی سورج کیسے ڈوب سکتا ہے، نور کیسے بجھ سکتا ہے، ابھی تو ان آنکھوں نے پاکستان کی روپہلی شعاع دیکھنی تھی، کتنی خواہشیں، کتنے شوق ان کی آنکھوں میں جلتے بجھتے تھے، پاکستان کا نام لے کر ہی چہرہ کھل جاتا تھا۔ دیوانگی اس حد تک بڑھ چکی تھی نیند میں ان کی واضح بڑبڑاہٹ محسوس ہوتی۔

"لے کر رہیں گے پاکستان، بن کر رہے گا پاکستان، سینے پر گولی کھائیں گے پاکستان بنائیں گے....." دو ماہ پہلے کی بات تھی کہنے لگے۔

"سوچ رہا ہوں بھرجائی، پاکستان ایک بار دیکھ آئیں صبر نہیں ہوتا، پھر اچانک سے سیالکوٹ دیکھنے کا پروگرام بنا لیا، اور چلے بھی گئے، تقریباً" ہفتہ لگا کر آئے تھے، روئیں، روئیں میں خوشی، لفظوں میں چاشنی، سیالکوٹ کا تذکرہ کرتے کرتے صبح بیٹھتے رات ہو جاتی۔

"بس بھرجائی، پاکستان کی ثانی کوئی مٹی نہیں، ایسی سوندھی ہے کیا گیہوں، کیا سونا، کھیتوں کے رنگ ہرے کچور، دھلے دھلائے لہلہاتے، ہوا مشک بار، بدن کو چھوئے جگر فرحت آگیں۔ پانی ایسا زم زم جیسا، لی پی طبیعت سیر نہ ہو۔" خدا جانے حقیقتاً" ایسا ہی تھا یا ان کے صاف دل لوگوں میں اپنی ہونے والی مٹی سے عقیدت کا جذبہ اس قدر تھا۔ ہر احساس پر حاوی، ہر چیز سے محبوب۔

"کیا واقعی بھائی جی!" تائی ثریا کی آنکھیں استعجابیہ پھیلیں۔

"میں جھوٹ تھوڑی کہہ رہا ہوں۔" ضیاالدین نے بولتے ہوئے قمیص کے کھیسے میں ہاتھ ڈالا۔ ایک رومال کی چھوٹی سی پوٹلی باہر نکالی اور سب کے

www.urdupalace.com

سامنے کھول کر رکھ دی۔ سنہری تازہ تازہ مٹی کی سوندھی خوشبو ایسے تھی جیسے کنواری حسینہ کے بدن سے اٹھتی ہو' نتھنوں کے ذریعے دماغ کی ہر نس کو تراوٹ بخشتی تھی۔ سب نے تبرک کی طرح ہاتھوں میں لے لے کر سونگھی' چومی' صلاح الدین نے چٹکی بھر منہ میں رکھ لی اور تفاخر سے بولے۔

"تب ہی کہوں' ضیا الدین ایک ہفتے میں جوان کیسے ہو گیا' بھئی جنت سے ہو کر آرہا ہے۔"

"ضیا چاچا۔" پیمان کو شرارت سوجھی۔ "ایک ہفتے میں جوان ہو گئے' ہمیشہ رہیں گے تو... نوجوان... کہیں نئی چاچی ڈھونڈنی نہ پڑ جائے۔" پیمان کے مذاق پر صلاح نے گھر کا' ثریا' مبرا شرمائیں' مگر ضیا الدین مسکرائے تھے پھر تاسفانہ ہو کا بھرا۔

"ہک ہا... بیٹا یہی تمنا سینہ جلاتی ہے' تیری چاچی کی ڈھیری کسی طرح اپنے ساتھ اٹھالے جاؤں' وہ ظالموں کے بیچ کیا کرے گی۔" چاچی زینب کی ڈھیری تو کیا ساتھ جاتی وہ خود بھی وہیں ڈھیر ہو گئے تھے۔ ہر تمنا' ہر آرزو' آزادی' وطن سب مٹی کی اک قبر میں دب گئی۔ ان کی روح کے قرار کے لیے پیمان نے سیالکوٹ کی وہ مٹی جو پوٹلی میں بند دو مہینے سے چاچا کی جیب میں تھی ان کی لحد کے اندر اور اوپر چھڑکی اور بہت دیر وہاں بیٹھا روتا رہا۔

"یوں اچانک سے موت' جانے پہچانے رستے پر کیسے پاؤں رپٹا' ایسی بھی کیا چوٹ لگی' جان ہی لے لی۔ بے شک ان کا پھاوڑا ان کے پاس سے ملا تھا' گرنے سے گھاؤ سر کی پشت کے بجائے کن پٹی پر؟ کیا ترچھے گرے تھے؟ زخم کی گہرائی' موٹائی پھاوڑے کی دھار سے خاصی موٹی؟ اگر پیمان کو پتا چل جاتا کہ اسی ناگ نے ڈسا ہے جسے بانہوں میں کھلایا تھا تو وہ اس کے بدن کو لیرو لیر کر دیتا' اتنے گھاؤ لگاتا کہ امرت شمار نہ کر سکتا' مگر یہ وہ معمہ تھا جو مٹی میں دبتا جاتا تھا۔ بالکل مولوی نظام علی کے خاندان کی طرح اور جانے کتنے عاشقان وطن کے معمے یونہی مٹی میں دبے جاتے تھے۔

مٹی سے لپے زرد گھر کے در و دیوار پر سوگ' سسکیاں ہر طرف جھانکنے لگی تھیں۔ رات کی سیاہی میں ابا کے خراٹوں کی آواز پر وہ چونک' چونک اٹھی۔

"ابا... ابا" پکارتی اور گھٹنوں میں سر دیے گھٹنوں روتی بلکتی۔ تائی ثریا اسے اپنے ساتھ چمٹائے خود بھی رونے لگ جاتیں۔ ان دنوں بجلی گاؤں تو کیا شہر کے ہر گھر میں نہیں تھی۔ سب لالٹین ساتھ رکھتے تھے۔ پیمان سر شام ہی لالٹین اماں یا اس کی چارپائی کے پائے پر جلا کر لٹکا جاتا تھا' چاچا ضیا کی زندگی میں وہ رات کو ہمیشہ اپنے گھر میں رہتی تھی' مگر اب مستقل تایا صلاح الدین کے ہاں رہنے لگی۔

دن' ہفتے' مہینے گزر گئے۔ اللہ کی بے شمار نعمتوں میں بھول بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر یہ انسانی دل و دماغ کے لیے نہ بنائی جاتی تو دنیا پہلے غم پر ختم ہو جاتی۔ اماں حوا' ہابیل کے غم میں اور بچے جننا بھول جاتیں۔ صدمے' مقصد کائنات روک دیتے' مگر اللہ عزوجل کا بڑا احسان ہے اس نے انسان کے لیے بھول بنائی اور انسان غم سے نکل کر آہستہ آہستہ زندگی کے راستے پر سوار ہو جاتا ہے۔ زندگی ضیا الدین کے بعد پہلے رکتی محسوس ہوئی پھر آہستہ اور پھر معمول پر چلنے لگی۔ زندگی کے متحرک ہوتے ہی عزیز و اقارب کی صدمے سے تالو لگی زبانیں حرکت میں آگئیں۔

"اے ثریا! تو اتنی سمجھ دار بنی پھرتی ہے اور جوان بچے گھر میں ایسے ہی چھوڑ رکھے ہیں' پہلے تو سر پر باپ تھا' مگر اب...؟ تیرے سامنے پلی' بڑھی' سوہنی کڑی۔ بیاہ کیوں نہیں دیتی اپنے لڑکے سے۔"

"آپا! میں تو پل نہ لگاؤں' مگر تیرا بھائی کہتا ہے اپنے دیس جا کر پہلی خوشی کریں گے۔"

"اے پاگل..." وہ پھر کہنے لگیں۔ "حالات تو دیکھو' ایسے میں بندہ پیدا ہوتی بیاہ دے..." مگر ثریا کیا کرتیں۔ پاکستان جا کر خوشی منانا صرف صلاح الدین ہی نہیں پیمان الدین کی بھی خواہش تھی۔ جب تذکرہ پیمان کے سامنے چھڑا تو اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا۔

"اماں! خوشیاں اپنے گھر' اپنی مٹی پر اچھی لگتی ہیں

www.urdupalace.com

☆ ☆ ☆

امرت بہت دنوں سے گاؤں میں نظر نہیں آیا تھا۔ سننے میں آیا تھا اس کا تبادلہ دور ہو گیا ہے۔ پیان نے اسے اپنے نکاح کے کچھ دن بعد ریل کی پٹڑی والے رستے پر دیکھا تھا۔ اس کا گمان تھا شاید وہ اسے مبارک دینے آیا ہو۔ کسی وقت کا پکا یار تھا۔ غالباً" نکاح کا دعوت نامہ جمنے نائی کے ہاتھ بھجوایا بھی تھا، مگر اس کے باپ رندھاوا نے کہہ دیا۔

"وہ ایسے فضول کاموں کے لیے فارغ نہیں ہوتا۔" اب پتا چلا ہو اور آگیا ہو'اسی خام خیالی میں وہ پرانی رنجش بھلا کر ہاتھ ملانے آگے بڑھا، مگر وہ استہزائیہ موچھوں کو بل چڑھانے لگا۔

"سنا ہے راج نگر کی سوہنی تیرے نام چڑھ گئی ہے۔" پیان کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں، پیشانی تنی۔ "حالانکہ ہرنی، ہرن کے ساتھ بجتی ہے۔"

"امرت!" وہ چلایا۔ "تجھے کوئی شرم حیا ہے یا ماں، بہن کا احترام بھی نکل گیا۔"

"بہن لگتی تھی وہ تیری۔" اس نے کمینے پن سے انگشت سینے پر رکھی۔ "میرے تو یہاں بستی تھی۔" اس کی ہر حد جواب دے گئی تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے بے حد زور سے طمانچہ امرت کے منہ پر مارا کہ ہاتھ پر بندھی نئی گھڑی جھٹکے سے کھل گئی۔ دونوں کے بیچ گالم گلوچ، شدید لڑائی ہوئی تھی۔ گھونسے، تھپڑ گریبان چاک ہو گئے۔ کچھ راہ گیروں نے بیچ بچاؤ کروایا تھا۔ امرت کے منہ اور پیان کی ناک سے خون بہنے لگا۔ اس نے ناک آستین سے پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"اس خون کی بددعا ہے تجھے امرت! جیسے تو نے دوستی کو بے اعتبار کیا، اسی طرح تیرے اپنے بے اعتبار ہو کر تیرا خون پئیں گے.... تو روک نہیں پائے گا۔"

"او.... دفع ہو! بڑا آیا بددعا والا۔" گھر میں داخل ہوتے ہی وہ گھڑولے کی جانب تیزی سے بڑھا تھا۔ نلکا چلایا اور منہ دھویا۔ گریبان چاک، آستین پر خون کے دھبے دیکھ کر ثریا دہل کر سینہ تھامے اس کی سمت بڑھیں۔

"کیا ہوا پیان، خون کیسا ہے؟" مبرا چولہا، ہانڈی چھوڑ، پلو منہ میں داب پیچھے آکھڑی ہوئی۔ دوپٹا کا ایک پلو پھاڑ کر اس کی جانب بڑھایا۔

"نہیں...." اس نے انکار کرتے اپنا بازو اوپر اٹھایا آستین سے ناک منہ رگڑ لیا۔ "آج کے بعد گھر سے باہر قدم مت نکالنا، کبھی، کسی صورت بھی.... جب تک میں نہ کہوں۔" وہ پورے استحقاق سے اسے کہہ رہا تھا۔

"آخر بتا تو سہی ہوا کیا ہے؟" ثریا نے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں ہوا، مگر ہو ضرور جائے گا، اگر امرت کا سایہ بھی گھر کے باہر سے گزرا.... اور سن لیا تو نے....." پاس سے گزرتے ہوئے پھر سے یاد دہانی کروائی تھی۔ وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گئی۔ اتنے ٹھوس، اٹل انداز میں تو وہ کبھی بھی بات نہیں کرتا، بھلے کچھ ہو جائے۔ "ہاں" اسے یاد پڑتا تھا آج سے کئی برس پہلے تب وہ بارہ تیرہ برس کی تھی۔ پیان سے نیا نیا اپنا نام لکھنا سیکھا تھا۔ ٹیڑھا میڑھا چار حرفی نام لکھنا آہی گیا۔ مہندی گھول اس کے سفید گھبرو کی گردن پر بڑا سا لکھ دیا۔ "مبرا"

"یہ تو نے اس پر کیوں لکھا ہے؟" لہجہ ترش، کھردرا تھا۔

"تجھے یہ گھوڑا پسند ہے نا، بس اسی لیے۔"

"بے وقوف!" اس نے گردن جھٹکی۔ "یہ ڈنگر ہے اور مبرا کوئی ڈنگر نہیں.... سمجھی! آج کے بعد میں نہ دیکھوں، اس پر تیرا نام۔" اس کا تحکم بھرا لہجہ بالکل آج جیسا تھا۔ ہرنی جیسی بڑی بڑی آنکھیں وحشت سے پھیلیں پھر سمٹ گئیں، اس نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا تھا اور اندر کہیں بہت دور تک تحفظ کا احساس آن بسا تھا۔

☆ ☆ ☆

ساون کی بارشوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ نہریں بھر

www.urdupalace.com

گئیں، نہر پر بنی چھوٹی سی بلی کی دیوار بیٹھ گئی۔ گنگا، جمنا خوب اچھل اچھل، بہتے ——— راوی کنارے پروا کی مدھر خنکی میں سارنگی کا گمان ہوتا تھا۔ موسم کی تازگی اور آنے والے لمحات کا احساس رگوں میں اپنی جگہ، مگر دل کو ہر وقت اک دھڑکا سا لگا رہتا، جانے کب کیا ہو جائے، پورے علاقے میں اندرون خانہ سازشوں کا جال بچھا جاتا تھا۔ بظاہر ہمدرد، مہربان بنے، پشت سے کھال اتارنے کے درپے تھے۔

رمضان المبارک کا خوب صورت چاند نئی نویلی دلہن کی طرح مسکراتا تاروں کے جھرمٹ میں گگن پر نمودار ہوتے ہی چھپ گیا۔ فضاؤں میں عقیدت کے رنگ سما گئے، مؤذن کی خوش الحانی بڑھنے لگی، گھروں میں تلاوت قرآن پاک، وظائف عروج پر تھے۔ لمبے گرم دنوں کی بڑھتی گھٹن کے روزے بھی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے روح افزاں تھے۔ اک ٹمٹماتا تارا جسے دیوانے کا خواب، احمقوں کی جنت، بے عقلوں کی سوچ کہہ کر تضحیک کی گئی، مگر اب اس کی لو دن بدن تیز ہو رہی تھی۔ بس کوئی پل تھا۔ جھنڈا لہرایا کہ لہرایا۔

لاہور سیکریٹریٹ پر توکب کا اک دلیر متوالی نے اپنے آنچل کا بنا کر لہرا دیا تھا، مگر سارے دیس پر لہرانا باقی تھا۔ ریڈیو پر خبرنامے کا ساز گونجتے ہی گھر کے تمام افراد پروانوں کی طرح اس کے گرد جمع ہو جاتے آواز تو آواز سانس تک روک لیتے مبادا اسماعت کسی خبر سے محروم نہ رہ جائے۔ زمینی، فضائی، حد بندیاں طے پا چکی تھیں، پانی کی تقسیم اور دوسرے معاہدے ہو رہے تھے۔ ادارے بٹ رہے تھے، فوجیں بن رہی تھیں، ہر جگہ ہر چیز پر مسلمانوں کو سمجھوتہ کرنا پڑ رہا تھا۔ چپ کروایا جا رہا تھا زبان سے، نہیں تو جان سے، کنوئیں سے نکلے چند ڈول پر بھی مسلم سجدۂ شکر بجالاتے۔

مخالف قوم اک قطرہ دینے پر رضامند نہ تھی۔ خواص سے زیادہ عوامی طبقہ آنکھوں میں لہو لیے پھرتا۔ بات بے بات دست و گریباں ہو جاتے۔ ساتھ بیٹھ کر دعوتیں لوٹنے، میلے دیکھنے والے اک دوجے کے لہو سے خود کو رنگنے کے لیے بے تاب رہتے۔ وہ جب گھر سے نکلتا پیچھے اس کا نازک دل ہولتا رہتا تھا۔ امرت دشمنی پر اتر آیا تھا۔ کتنی بار تو سہتی خود دبے لفظوں میں کہہ گئی تھی۔

"یہاں کے حالات اب تم لوگوں کے لیے اچھے نہیں رہے، پیان کو ہوشیار رہنا چاہیے۔" مبرا کا دل مٹھی میں سمٹ جاتا۔ بار بار بہانے بہانے سے اینٹوں کی جالی میں نگاہ جمائے اس کی راہ تکتی رہتی۔ اب بھی لالٹین ہاتھ میں پکڑے، بہت دیر سے سرخ جالی کے پار جانے کیا دیکھ رہی تھی۔ فیروزی ململ کا چنا دوپٹا منہ میں دابے اس کے گھنگھرو کے ٹاپوں کی آواز جیسے جیسے قریب آئی شکر بھرا سانس اندر تک پھیل گیا۔

"مبرا..... اے مبرا۔" عقب سے تائی ثریا کی آواز پر وہ چونک کر مڑی۔

"کیا دیکھ رہی ہے..... آنے ہی والا ہو گا وہ....." راز فاش ہونے پر منہ وا ہوا گیلا پلو چھٹ گیا۔ دودھیا بے داغ رخساروں پر حیا کی لالی، دھڑکن بے ترتیب، پلکوں پر لرزہ۔ ثریا مبہم مسکرا دیں۔

"تیرا تایا، تجھے آوازیں دے، دے کر چلا بھی گیا۔ لالٹین کا ڈھکن آج پھر رہ گیا، اب تو نے یاد رکھنا ہے، پیان کو کہہ دوں گی، وہ لگوا لائے گا..... پاکستان جاتے اپنی روشنی ساتھ لے کر جائیں گے۔" وہ اس کی خفت مٹانے کے لیے اس کی کلائی تھامے باہر چارپائی پر لے کر بیٹھ گئیں۔

✲ ✲ ✲

"شام کا وقت تھا۔ وہ قیلولے کے بعد کمرے سے نکلا، پانی پینے کی غرض سے گھڑونچی کی جانب بڑھا تھا۔ پٹ سن کی گیلی بوری لپٹے گھڑے کے ساتھ ایک رنگین صراحی بھی دھری تھی۔ تقریباً سولہ سترہ سال بعد اس اس نے گھر میں صراحی دیکھی تھی۔ اس نے تحیر سے بھنوئیں سکیڑ کر زہرہ کو دیکھا۔

"یہ کون لایا ہے؟"

"بی بی نے ریڑھی والے کمہار سے خریدی ہے، کہہ رہی تھی اس کا پانی بڑا ٹھنڈا، میٹھا، فرحت بخش

www.urdupalace.com

ہوتا ہے' بوری لپیٹنے نہیں پڑے گی۔" اس کی سن نگاہیں کمرے کی کھڑکی سے دکھائی دیتی بی بی کی پشت پر گڑ گئیں۔ وہ پانی پینا بھی بھول گیا تھا۔ فرش پر چکرائی ایک رنگین صراحی کی ٹوٹتی گردن اور سانولی سہتی کی پانی سے لبالب بھری آنکھیں نگاہوں میں آرکیں۔ اس دو' ڈھائی سال کے عرصے میں وہ بات بات پر چونکتا اور کئی کئی دن کے لیے الجھ کر رہ جاتا۔ ایک دن اس نے ٹھان ہی لی اس سے خود پوچھے گا۔ وہ کہاں کی رہنے والی ہے' کس خاندان سے ہے۔

☆ ☆ ☆

زہرہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی اور وہ چائے دم پر رکھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ سائیں اس کی جانب آکھڑا ہوا اور اس کے سوال نے اسے سٹپٹا دیا۔ اس نے سمٹتے ہوئے سر گھٹنوں میں دے لیا۔ وہ اس کے سامنے اچھا خاصا گھونگھٹ کیے اور بائیں رخسار سے پلو دانت میں دابے ہمیشہ خاموش رہتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ سر ہلا کر کسی بات کا جواب دے دیا' لیکن آج کے سوال پر اس کا سر بھی نہ ہلا۔

"بی بی میں بھی تمہاری طرح مہاجر ہوں' بڑی عزت کرتا ہوں تمہاری' میری بہنوں کی طرح ہو تم۔" وہ اس کے سر پر مان بھرا ہاتھ رکھ اندر کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ آج اس کے ہاتھ کا لمس پگھلتے گرم لوہے کی طرح بدن پر گرا تھا۔ اس کا سارا بدن آگ کی طرح تپ گیا۔ زمین پھٹے وہ اس میں سما جائے۔ بہت سے لوگ جل کر مرتے دیکھے تھے۔ آخر یہ کیوں نہیں جل کر مر جاتی۔ سرخ نارنجی دہکتے انگاروں کو دیکھ کر اس کا جی چاہا پرات بھر بھر انگارے اپنے اوپر ڈال لے۔ وہ اپنے کمرے میں بے حد شرمندہ بیٹھا تھا۔

"جانے میرے بارے میں وہ کیا سوچتی ہوگی' مجھے یوں اکیلے میں اس کے پاس نہیں جانا چاہیے تھا' زہرہ اور بچے بھی تو پاس نہیں تھے۔ آئندہ احتیاط کروں گا' براہ راست پوچھنے کی کیا ضرورت ہے' زہرہ پوچھ تو لیتی ہے' اگر بتانا ہوگا بتا دے گی۔ ویسے بھی مہاجروں کی عادتیں ملتی جلتی ہوتی ہیں' میرا دل دکھا ہوا ہے اسی لیے بار بار شک اپنے علاقے سے تعلق پر جاتا ہے۔"

☆ ☆ ☆

پیمان کے نام پر اس کی کانپتی پلکیں' شرم سے لرزتا بدن' نرم گورے گالوں پر دوڑتی حیا کی سرخیاں ثریا کو بے حد پسند تھیں۔

پہلے اس کے سامنے جان کر پیمان کا تذکرہ چھیڑتیں پھر مسکرا مسکرا کر اسے دیکھتیں' خود میں بھینچ لیتیں۔ وہ دونوں چولہے کے پاس بیٹھیں افطاری بنا رہی تھیں۔ ثریا آہستہ آہستہ اسے گھر داری' مردوں کا مزاج' ازدواجی زندگی بچوں کی پرورش کے بارے میں بہت سی باتیں بتا رہی تھیں۔ سل پر پودینے' انار دانے کی چٹنی رگڑتے اس کا چہرہ انگارے کی طرح لو دیتا تھا۔ چٹنی زور زور سے رگڑنے سے کان کا بالا ہلتا جو خاصی دور جامن کے درخت تلے بچھی سفید چاندنی پر بیٹھے ہاتھ اٹھاتے پیمان کی دعا میں کچھ خلل سا ڈالتا اس نے قدرے پہلو بدلا۔

آج کل عبادت اور دعاؤں پر خوب زور تھا۔ غالباً" دیوانے کا خواب مجسم حقیقت ہوا چاہتا تھا۔ افطار اور اس کے نتیجے میں ملی عید ——— کی خوشی اللہ عزوجل نے پہلے روزے کے ساتھ ہر مسلم کے لیے عطا کر دی تھی' لیکن سن 47ء کے رمضان میں افطار' عید' باب الریان کے ساتھ برصغیر کے پے مسلمانوں پر اپنی بہترین مقبول ترین مبرک رات میں ماوی کی وادیوں سے ایک ٹکڑا اپنے بندوں کی جھولی میں ڈالا اس تبرک کا خیال رکھنا' سنبھال رکھنا' امن سے' قوت سے وحدت سے۔ پھیلو' راج کرو' صحرا' سمندر' پہاڑ' مٹی اور اس میں دفن بیش قیمت خزینے مختص کر دیے تھے۔

فرشتوں کی پر نور جماعت کے ہمراہ ہواؤں' فضاؤں' پانیوں میں' اپنے معصوم بھولے لوگوں کو کتنی بے حرمتی سے ہماری نسل کہہ دیتی ہے۔

"پاکستان میں کیا رکھا ہے' باہر چلو' مستقبل بناؤ۔"

www.urdupalace.com

کتنے منکر، سفاک ہیں وہ خدشے۔

"پاکستان کے جو حالات ہیں، وہ ٹھیک ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔؟ چند سال بعد۔۔۔؟ کہیں یہ ملک بھی۔۔۔؟ کیا تبرک میں بخشی گئی چیز اور دینے والا شہنشاہ کل اپنی بخشش واپس لے سکتا ہے؟

ہرگز نہیں! البتہ ہم اپنے اعمال، عادات، حرص، ہوس سے اس کی اہمیت کم ضرور کر سکتے ہیں، اس لہو کو جو اس دھرتی کو رنگ دینے میں نچھاور کیا، وہ خواہشیں دفن ہوئیں، وہ محبتیں جو جلتی بجھتی اپنی آنکھوں پر، نفس، خواہشات کی پٹی باندھ کر سب پس پشت خیال ڈال سکتے ہیں، لیکن خالق اکبر و حقیقی اپنی مخلوق سے نذرانہ واپس نہیں لیتا، جو دے دیا سو دے دیا، تبرک بھلے چٹکی بھلے تھال۔

اک تھال کی طرح سجا چٹیل میدان کہیں پانی کی لکیریں، کہیں ذخیرے، کہیں بلند و بالا کہسار، برف سے نکلتے آبشار، اک خطہ مقدس، دھرتی ماں اپنی اماں کی پیشانی کا پتا ملتے ہی سکون اندر تک تراوٹ اتارتا تھا۔

ہندوستان میں منائی گئی وہ عید ایسے تھی جیسے نامہ اعمال ـــــ لے کر پل صراط پار جنت ہو۔ پل صراط تو پل صراط ہے ناں، راہ تیز دھار، ہر قدم دشوار اور اس راہ کی تیز دھاری عبور کر آئی تھی۔ جن فصیح و دوراندیش لوگوں نے فضا میں لال اندھیرے کی بو سونگھ کر ہجرت جلد کی وہ امن میں رہے، لیکن جنہیں ہمسائیوں پر مان تھا، دوستی پر بچا کچھا یقین تھا وہ لٹ گئے کوئی راہوں میں، کوئی پناہوں میں۔

تائی ثریا کی بوڑھی والدہ کچھ عرصہ سے علیل تھیں۔ عورت کی گھٹی میں اپنی ہر چیز سے محبت گندھی ہوتی ہے۔ اپنی مٹی، اپنا گھر، اپنا سامان، ایک ایک چیز کی دیکھ ریکھ کی، تنکا تنکا جوڑ آشیانہ بنایا۔ بھلے زیادتیاں تھیں، مگر گھر تو اپنا تھا۔ اتنی آسانی سے کیسے سب چھوڑ کر کہیں اور چل پڑیں۔ اندر ہی اندر غم گھن کی طرح چاٹنے لگا۔ کھانسی تیز بخار میں بدلنے لگی۔ جھنڈا لہرا دیا گیا تھا۔ سرزمین وطن کے ترانے بج گئے تھے۔ خوشی بہت تھی، مگر جنم بھومی کے چھوٹنے کا غم بھی بہت تھا۔ اسی لیے بیمار ہو گئیں۔ پیمان کے نکاح پر ثریا کے میکے سے سوائے ایک بھائی کے کوئی نہیں آیا تھا۔ ٹیلی گرام، تار کے ذریعے اماں کی دن بدن بگڑتی سنبھلتی طبیعت کا پتا چل جاتا۔ اب جب قافلے آئے دن نکل رہے تھے انہوں نے بھی سامان باندھنا شروع کر دیا تھا۔ ثریا نے زندگی میں پہلی بار اپنی ماں سے ملنے کی فرمائش کی تھی۔

"ایک بار ملوا دو، پھر جانے کب ملیں یا نہ ملیں۔۔۔ وہ لوگ اماں کی طبیعت سنبھلنے پر ہی نکلیں گے۔"

صلاح الدین نے ان کی فرمائش کا احترام کیا۔ صبح سویرے نکلنے کو کہا تھا۔ رام پت، راج نگر سے اتنی دور تھا تانگے پر صبح نکلتے تو سورج ڈھلنے تک پہنچ ہی جاتے۔ ایک دن جانے کا، ایک آنے کا، ایک دن کا قیام یہی طے ہوا تھا واپس آتے ہی پاکستان کے لیے نکلنا تھا۔ تائی ثریا جاتے جاتے مبرا کو گھر سنبھالنے کی ہدایات دے گئی تھیں۔

"ساری چیزیں باندھ کر رکھے، صندوقوں میں سامان سنبھال کر تالا ڈال دے، چارپائیاں رسی سے اکٹھی باندھے، برتن، بستر اور ہاں پرانے اچار کا مرتبان ذرا آگے رکھے، کچھ دن وہی کھاتے رہیں گے، اناج کی ایک دو بوری ـــــ سل بٹہ بھی رکھنا، پیمان انار دانے کی چٹنی ضرور کھاتا ہے۔" وہ اپنے نام پر چونکا اور فہرست سن کر قہقہہ لگایا۔

"میری پیاری بھولی ماں! پاکستان اتنا سامان نہیں لے جا سکتے، ریڑھے، لاری پر بس انتہائی ضروری چیزیں جائیں گی۔۔۔ شکر کرنا جانیں پوری پہنچ جائیں۔"

غالباً" جو لوگ ذرا پہلے نکلے تھے وہ بہت سا سامان لے گئے تھے، مگر اب شورش، قتل و فساد میں بدل گئی تھی۔ قافلوں کو زدوکوب کیا جا رہا تھا، جس گھر میں سامان سمیٹتا دیکھتے اسے آگ لگا دیتے، دن دیہاڑے مرد قتل ہوتے، آنچل روندے جاتے، مائیں لٹ جاتیں، کتنی بچیوں نے اپنی عزت بچانے کے لیے خود نہوں کنوؤں میں چھلانگیں ماری تھیں۔ شاید اسی لیے اب قافلے دن کے بجائے رات کو خاموشی سے نکلنے

www.urdupalace.com

لگے تھے اور خاموشی میں اتنا سامان ناممکن۔ سنتے ہی ثریا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"کیا مطلب؟ سامان بغیر کیسے رہیں گے۔۔۔؟"

"اماں جی اپنی مٹی، آرام و سکون۔۔۔ تھوڑا تھوڑا کر کے سب بنائیں گے اور اگر حالات اچھے ہو گئے تو بعد میں آ کر لے جائیں گے، یہاں ہی چھپا کر رکھ دو۔"

بسے بسائے گھر سے دستبرداری کا اعلان کر دینا بہت آسان، مگر کر دکھانا نہایت مشکل تھا۔ چند گاؤں چھوڑ کر اپنی اماں کے گھر وہ برسوں بعد جارہی تھیں، پھر ملکوں کے فاصلے پر کون یہ چیزیں لینے آئے گا' ان کا ہاتھ سینے پر پڑتا تھا۔ اپنے ہاتھوں لیپا فرش، چنی دیواریں، کسی چارپائیاں بنی دریاں، کاڑھی چادریں ایک ایک چیز پر پتلیاں گھومتیں، دل بیٹھنے لگتا۔ کئی مہینوں پہلے جب سہتی روز آ کر قائل کرتی۔

"تائی تم نہ جانا، سمجھا پیان کو، تایا کو۔۔۔ یہ گھر تو نے بنایا ہے اس کے بنا کیسے دل لگے گا۔"

"کیوں نہیں لگے گا۔۔۔؟"

انہوں نے بھنتی ہانڈی میں چھینٹا مارا۔ "وہ بھی تو اپنا گھر ہو گا۔۔۔ اسے بنا سنوار لوں گی۔"

"تائی جی، پودے کی جگہ بدلنے سے، پودا سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے، بڑھتا نہیں۔"

"سہتی، اگر پانی بروقت اور مٹی موافق ملے تو، جڑ بھی پکڑ لیتا ہے، پھل بھی دیتا ہے۔"

"یہ سب کہنے کی باتیں ہیں تائی! نفس کے پودے کو مرضی کی مٹی، پانی نہ ملے تو سوکھے گا ہی اور تو دیکھ لینا کچھ ہی عرصے میں، یہی علیحدگی کے نعرے مارنے والے، نفس کے پیچھے اک دوجے کو کاٹ کھائیں گے۔"

کتنے سفاک، بے رحم، نفس کے پجاری بنتے جارہے ہیں ہم آج کل کے پاکستانی، اپنے آباؤ کی تمام قربانیاں ان کا بہتا لہو بھلا کر اس خود غرضی کی ماری سہتی کی بات پوری کر رہے ہیں، حالانکہ محب وطن خوددار پاکستانی بوڑھی ثریا نے اس لمحے بڑے فخر سے اس سے کہا تھا۔

"دور فٹے منہ تیرا، تیرے منہ میں سوا (راکھ) بدبخت، ہم پاکستانی مسلمان ہیں بھائی بھائی، بھوکے رہ کر بھی اپنے بھائی کا خیال کر لیں گے۔ اور ان چیزوں کی یاد تو کیا خیال بھی نہ آئے گا۔۔۔"

اس وقت بہت زعم سے انہوں نے کہا تھا، جذبہ اب بھی کم نہیں تھا، مگر اپنی چیزوں سے فطری محبت اندر سے کچوکے ضرور لگا رہی تھی۔

وہ علی الصبح اٹھیں، فجر پڑھنے کے بعد رام پت کے لیے نکلنا تھا۔ جاتے پل انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس گھر سے ہمیشہ کے لیے جارہی ہیں کہیں بہت دور۔۔۔ شاید صلاح الدین نے کہا تھا جس روز واپسی ہو گی اسی شام یا صبح پاکستان کے لیے روانگی، وہ ایک ایک چیز پر ہاتھ پھیرتیں۔ ایک نوالہ بھی حلق سے اترتا نہ تھا۔ پھر سے مہرا کو ہدایت شروع کر دی۔ "اچھی طرح باندھ کر اوپر چارپائیاں رکھ دے نا، پیان الدین کہہ جو رہا ہے، حالات اچھے ہوئے تو آ کر لے جائے گا۔" دروازے سے نکلتے نکلتے پھر پلٹیں مہرا کو بہت زور سے لپٹایا ماتھا چوما۔

"اگر وہ کلموہی سہتی آئے، منہ نہ لگانا اور منع کرنا یہاں آنے سے۔۔۔"

وہ حیرت سے تائی کا منہ تک رہی تھی۔ "بھلا اب سہتی یہاں کب آتی ہے؟ اس کے نکاح کے بعد وہ صرف ایک دو بار آئی تھی۔ آواز میں نہ سابقہ کھنکھناہٹ تھی نہ چہرے پر تازگی۔ سانولا رنگ اور بھی سنولا گیا، آنکھیں چھوٹی کیے بس مہرا کو تکے جاتی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہے؟" مہرا نے پوچھا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"تیری لیکھ (قسمت) پر رشک کر رہی ہوں۔"

"کیسی لیکھ (قسمت)؟ بچپن میں ماں چھوڑ گئی، جوانی میں باپ اب جب نکاح ہوا تو اپنا علاقہ، اپنی چیزیں، سکھیاں سب زبردستی چھوٹ رہا ہے۔"

"بیاہ کے بعد علاقے، سکھیاں تو سب کی چھوٹ جاتی ہیں۔" سہتی کے ہونٹ استہزائیہ پھیلے۔

"لیکن اگر یہاں جیسا خوبرو ہم راہی مل جائے، پھر بھلے

www.urdupalace.com

دنیا چھٹ جائے، کیا غم۔۔۔"

"جا دفع ہو۔۔۔ تو پیمان کو نظر لگا کر رہے گی۔" مبرا نے خفگی سے چپت لگائی تھی اور پھر واقعی وہ ان کی طرف نہیں آئی۔ اگر آتی بھی تو دروازے سے جھانک، ایک دو بات کر کے واپس چلی جاتی۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"اب آ بھی جا، دیر ہوتی ہے، کوچوان کو ستا ہو گا۔" تایا صلاح الدین نے کوئی چوتھی بار آواز لگائی تھی۔

"اچھا، رب کے حوالے۔۔۔" ثریا تائی نے مبرا کی پیشانی پھر چومی، پیمان کے کندھے دابے پھر حسرت بھری نگاہ سارے گھر پر ڈالی تھی۔ "میں بیاہ کر یہاں آئی تھی، پیمان الدین اور تو یہاں پیدا ہوئے تھے۔"

"اماں پریشان نہ ہو۔۔۔ ہم سب سنبھال کر رکھیں گے۔" نکلتے نکلتے درخت پر لٹکے کچے انار کو پیار کیا۔ "خدا جانے، تو ابھی تک کیوں نہیں پکا۔۔۔ چھوٹا سا پودا لگایا تھا تیرا، پانی دے، گوڈی کر۔۔۔ اب جوان ہو گیا۔۔۔" وہ خود کلامی کرتی اوڑھنی سے آنسو پونچھتی صلاح الدین کے پیچھے چلتی جاتی تھیں۔

وہ صحن میں بیٹھی سفید کرتے کا گلا سفید ریشم سے کاڑھ رہی تھی۔ بہت دن ہوئے شروع کر رکھا تھا، مگر مکمل ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ کرتا پیمان نے پاکستان روانگی پر پہن کر جانا تھا۔ تائی ثریا کو گئے ایک دن ہو چکا تھا۔ سارا گھر سائیں سائیں کرنے لگا۔ پیمان اندر کمروں میں کچھ کھٹر پٹر کر رہا تھا۔ کبھی کمرے میں جاتا کبھی کوٹھڑی میں تو کبھی ابا کی طرف۔۔۔ کبھی صندوقچیاں کھولے بیٹھا رہتا۔ غالباً" صلاح الدین گھر اور زمینوں کے کھاتے اور رجسٹریاں سنبھالنے کا کہہ گئے تھے اور یہ بھی کہ پٹواری سے مل لے، ایک دو کاغذ اس کے پاس بھی ہیں۔ زبان عام تھا پاکستان جانے پر زمین کے کلیم کے بدلے کلیم ملے گا سو سازو سامان کے بجائے کاغذ لے جاؤ۔ کماؤ اور کھاؤ، وہ موٹے موٹے کاغذ ایک دستری میں باندھ، اس کے پاس گزرتے گزرتے کہنے لگا۔

"میں پٹواری کے پاس جا رہا ہوں، دیر لگ جائے گی۔۔۔ ہوشیار ہو کر رہنا اور ہاں۔۔۔" اس کی نگاہ سفید کرتے پر گئی۔

"بقیہ چیزیں رکھ دیے، ضروری سامان سنبھال کر باندھ، کسی وقت بھی نکلنا پڑ سکتا ہے، ہو سکتا ہے اماں، ابا کے آتے ہی چل پڑیں، قافلہ تیار ہو رہا ہے۔ کسی بھی رات کو چل پڑے گا اور ہاں۔" اسے آگے بڑھتے ہوئے یاد آیا۔ "لالٹین ضرور رکھ لینا۔" وہ اثبات میں سر ہلاتی اپنی اوڑھنی سمیٹتے ہوئے اٹھی تھی۔ وہ چند قدم بڑھا، اس نے پیچھے سے پکارا۔

"وہ۔۔۔" وہ واپس پلٹا سوالیہ ابرو اٹھائے، مگر مبرا چپ اپنے ہونٹ تر کرتی، چباتی، تھوک نگلتی جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو، مگر الفاظ سلب۔۔۔

"کیا بات ہے۔۔۔ کچھ کہنا ہے۔۔۔؟"

"ہا۔۔۔ ہاں۔۔۔" بمشکل نکلا۔ "وہ۔ کا۔ کاغذ۔ رکھ لیا۔۔۔" سیاہ گھنی مونچھوں تلے بھرے سرخ ہونٹ مبہم سے پھیلے اک ستائشی نگاہ اوڑھنی میں ملفوف حور پر سر تاپا سرکی۔

"وہ تو میں نے سب سے پہلے رکھ لیا تھا۔" اس نے جیب تھپتھپا کر نکاح نامہ ہونے کا یقین کیا تھا پھر چند پل اس کی جھکی نگاہیں، اناری رخساروں پر لرزہ سیاہ سایہ، بھینچے ہونٹ اور قدرتی سپیدی میں گلال اترتا دیکھے گیا۔ وہ دھیرے سے بولا تھا۔

"اک بات کرنی تھی، تجھ سے۔" بمشکل لحہ بھر کے لیے نوکیلی پلکیں اٹھیں، ہیروں کی طرح دمکتی سیاہ آنکھیں، مقناطیسیت سے بھرا عجب بے پروا معصوم چمکتا حسن، جس میں حیا کے سب رنگ تھے۔ اس کے سارے بدن میں سنسناہٹ دوڑی، اس نے سنبھلتے ہوئے اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ اس کی خم دار باڑھ بجھ گئی۔

"مبرا۔۔۔" لحہ میں ہی وہ سب بھول گیا تھا کیا کہنا تھا، کیوں کہنا تھا پھر ہمت کر کے یاد کیا۔

"مبرا! میرا رخصتی اور ولیمہ کے تادیر فیصلے پر، تجھے اعتراض تو نہیں تھا؟" اس نے لمحے کے چوتھے پل میں گردن جھٹکے سے نفی میں ہلائی اور سانس روک لی، وہ

www.urdupalace.com

مسکرایا اور ایک ایک قدم آگے آگیا۔ اس کی سانسیں بے ہنگم ہونے لگیں، وہ پھر سے مسکرایا۔

"اگر تھا بھی تو پھر مجھے معاف کردے، میرا دل نہیں چاہتا اس زمین پر کوئی بھی اچھی یاد رکھنے کو۔" اس نے اپنے دونوں گرم مضبوط ہاتھ اس کے نازک شانوں پر رکھ دیے، وہ بے ہوش ہونے کی حد تک ٹھنڈی پڑ رہی تھی۔

"ایک بات تجھ سے کرنے کی نہ کبھی ہمت ہوئی، نہ موقع ملا۔" اس کی سانس رک سی گئی تھی۔ "تجھ سے محبت میرے دل اور دماغ کی ہر کس میں رچی ہے مبرا، کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا، بس تم بے اعتبار نہ ہونا۔"

جواباً" وہ کپکپاتے لبوں سے کہنے لگی۔ "محبت کو صرف دل تک رہنے دے..... پیان، اگر یہ دل میں رہے تو عقیدت بنی رہتی ہے، جو دماغ کو چڑھ جائے تو جھل پن..... صرف جھل پن۔" اس کے گہرے انداز پر پیان کا قہقہہ نکل گیا۔ اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں سے اٹھائے۔

"بڑی باتیں آگئی ہیں، تجھے..... اچھا چل ایک بات اور سن اپنا ہرا جوڑا نکال لے بلکہ پہن ہی لے، جانے کس وقت جلدی میں نکلنا پڑ جائے اور تیرے شگن کا جوڑا رہ جائے۔"

اس کی ساری قوت جواب دے گئی۔ لرزتی پلکوں سے دو موتی، خوشی، حیا، رخصتی کے گالوں پر پھیلے۔ پیان نے ہاتھ بڑھا کر اپنی پوروں پر سے چن لیے۔ وہ دو قدم مزید آگے آیا اس کے بھرے بھرے گرم ہونٹ اس کی ٹھنڈی نم آلود پیشانی پر ثبت ہو گئے تھے۔ وہ پرے ہٹتے ہوئے تیکھا سا مسکرایا اور "جھلی" کہہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

اس نے کچھ دیر بعد آنکھیں کھول کر اس کی چوڑی پشت کو گم ہوتے دیکھا تھا۔ اطمینان، آسودگی پور پور اترتی تھی۔ زندگی میں آج پہلی بار اسے اپنی پیشانی دنیا کی نایاب و قیمتی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے دوڑ کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ آج اسے اپنا وجود کسی مہارانی سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

وہ بہت دیر سے گھر کا سامان سمیٹ سمیٹ کر چھپا رہی تھی۔ پیان نے کہا تھا۔ سونے جیسی قیمتی چیزیں ساتھ نہیں رکھنی۔ لالچ میں ظالم ہاتھ کاٹ رہے ہیں۔ سامان کی وجہ سے قافلے لٹ رہے ہیں۔ سب سے پہلا خیال اسے اپنی بڑی سی سات نگی لونگ کا آیا۔ اتارنے ہی والی تھی کہ آس پاس تائی ثریا کی آواز ابھری۔

"یہ تو سائیں کے سلامت ہونے کی علامت ہے، بھلے جان چلی جائے، مگر بیاہی لڑکی کی ناک خالی نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا سپید ہاتھ ناک سے پھسل کر دل پر جم گیا۔ اس نے پوری شدتوں سے پیان کی زندگی، صحت و سلامتی کی دعائیں مانگی۔

اس نے زمین میں ایک گڑھا کھودا۔ زینب، ثریا کے گلو بند، ہار، بالیاں اس میں دبائیں، مٹی برابر کردی۔ "پیان کہہ جو رہا ہے بعد میں آکر لے جائے گا۔ صندوقوں پر تالا ڈالا، چارپائیاں رکھیں، سب چادر سے ڈھانپ دیا۔ ہر چیز رکھتے سنبھالتے اس کا دل بھر بھر آتا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے نا اپنے ہاتھوں سے بنائی سجائی چیزیں دوسروں کے لیے چھوڑ کر خود خالی ہاتھ نکلنا، لیکن آزاد مٹی کی خوشبو حوصلہ بڑھاتی گئی۔

"بریں مژدہ گر جان فشانم رواست"

ایسی خوشی پر جان بھی جائے تو شکر ہے۔

وہ سب کا ایک ایک جوڑا، پیان کا آدھا کرتا اور اپنی سبز لال چوڑیاں ایک گٹھڑی میں باندھ رہی تھی کہ اسے اپنی پشت پر کسی کی موجودگی کا گمان ہوا، جھکے جھکے مڑ کر دیکھا۔ چٹیا آگے جھول گئی۔

سہتی کھڑی ایک ٹک اسے اور سمٹے سامان کو دیکھ رہی تھی۔ "یوں اچانک یہ کہاں سے آگئی۔" اس نے سیدھے کھڑے ہوتے سوچا۔ چٹیا پیچھے کمر پر ڈالی، پیان کے جانے کے بعد اسے کوئی خیال کہاں رہا تھا۔ حالانکہ وہ جاتے جاتے دروازہ بند کرنے کی تاکید کر گیا تھا، مگر پہلے اس کا لمس، اس کی خوشبو محسوس کرتی رہی پھر اسی کے بتائے سمجھائے کاموں میں لگ گئی۔

www.urdupalace.com

"تو کب سے کھڑی ہے؟" اس کے استفسار پر وہ کھوئے لہجے میں بدبدائی۔

"میں تو کب سے کھڑی ہوں، پر کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔" پھر قدرے زور سے پوچھنے لگی۔

"تو تم حقیقتاً" جا رہے ہو۔۔۔؟"

"ظاہر ہے۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"اور تایا، تائی وہ کہاں ہیں، دکھائی نہیں دے رہے۔" اس نے تفتیشی نگاہ دوڑائی۔

"وہ اپنی اماں کے گاؤں میل ملاپ کرنے گئے ہیں، کل ان کے آتے ہی ہم نکل پڑیں گے۔"

"اور پیان۔۔۔؟"

"وہ پٹواری سے ملنے گیا ہے، اپنے کام نبیڑ کر ہی جائیں گے۔" کارنس اور شیلفوں پر سے چیزیں اتار اتار کر سنبھالتی وہ بہت سادگی سے سب کہتی رہی تھی۔

"سہتی! اگر تو میری پکی سہیلی ہے تو ہمارے گھر اور چیزوں کا خیال رکھنا ہم اپنی چیزیں لینے آئیں گے۔"

"مبرا ایک بات پوچھوں۔۔۔؟" سہتی کو اس کی باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ بے دھیانی سے سنتی اپنی سوچوں میں الجھی تھی۔

"ہاں پوچھ۔" وہ ایک گٹھڑی پیٹی میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"تجھے پیان سے واقعی محبت ہے؟" وہ ایک دم سے ٹھٹکی اور زور سے پیٹی کا ڈھکن چھوٹا۔

"میرا مطلب ہے، محسوس تو نہیں ہوتی، نہ تیرے لفظوں سے، نہ تیرے رویے سے۔"

"سہتی میری محبت اتنی ہلکی نہیں ہے۔" وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ "کہ لفظ اور رویے کے پلڑے میں تولوں، میری محبت قوس قزح کی متلاشی نگاہ جیسی ہے، اس کے خاموش رنگ گگن پر مٹ بھی جائیں تو بھی نگاہیں انہیں ٹٹول ٹٹول تھکتی نہیں۔"

"آہ!" سہتی نے آہ بھر کر پیٹھ موڑ لی۔ "مجھے بھی محبت ہے اور وہ چکوری کی طرح ہے، جسے شروع دن سے پتا ہے، وہ چاند تک نہیں پہنچ سکتی، مگر چاہت میں پر تڑوا لیتی ہے اڑان نہیں چھوڑتی۔"

"کیا مطلب؟" مبرا کھوم کر اس کے سامنے آئی۔

"تجھے واقعی ارجیت سے محبت ہو گئی ہے۔"

اس نے پچھلے مہینے ہی سنا تھا ارجیت سنگھ کا باپ ان کے گھر رشتہ لے کر آیا تھا اور امرت نے باپ سے پہلے ہاں کر دی۔ سگائی کا دوپٹا، چوڑی مہندی بھی رکھ لی۔ مبرا نے اس کے دونوں کندھے پکڑ، شرارتاً" جھلائے۔ اس نے خفگی سے جھٹک کر چھڑوائے۔ "پتا نہیں۔" کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

ابا کے گھر، کوٹھری، کمرے کے کواڑ بند کر کے وہ تائی ثریا کے برآمدے میں بیٹھی تھی۔ اس نے ہرا سوٹ پہن کر، کس کر چٹیا گوندھ رکھی تھی۔ نگاہ بار بار بیرونی دروازے پر جاتی۔

"پتا نہیں کب آئے گا، کہہ رہا تھا دیر ہو جائے گی، کتنی دیر۔۔۔؟" تیز چمکتی دھوپ تقریباً" آدھے صحن سے سمٹ گئی تھی۔ اچانک سے دروازہ دھڑدھڑایا۔ وہ اوڑھنی سمیٹتی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

"کون۔۔۔؟" پوچھنے پر سہتی کی گھبرائی آواز آئی۔

"مبرا، دروازہ کھول جلدی کر۔۔۔" اس نے دونوں پٹ کھول دیے۔ اس کی آواز سے زیادہ چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ وہ تیزی سے اندر بڑھتے کہنے لگی۔

"مبرا جلدی کر، زیادہ وقت نہیں ہے، تجھے پیان بلا رہا ہے، جلدی نکل، جلدی۔"

"کہاں ہے پیان۔۔۔؟" اس نے پہلے اسے پھر گھبرا کر باہر جھانکنے کی کوشش کی، مگر سہتی نے اس کی کلائی کھینچ لی۔

"یہاں نہیں ہے، جھلی۔۔۔ وہ گھاٹ سے پرے ملا شیر کے گھر ہے، وہاں قافلہ تیار ہو رہا ہے، رات میں کسی بھی پل نکل پڑیں گے۔۔۔ تایا تائی راستے میں ہی قافلے میں شامل ہو جائیں گے۔ تو نکلنے کی کر، پیان نے تجھے جلدی پہنچنے کا کہا ہے۔"

www.urdupalace.com

"لیکن وہ خود کیوں نہیں آیا۔" اس کی کچھ سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے' ایسا کیسے ہو سکتا ہے' پیان اسے خود لینے نہ آئے۔

"گدھی.... وہ کیسے آئے' اس کا رانے پٹواری سے فساد ہو گیا تھا' تو جانتی تو ہے اس کے غصے کو' پٹواری کا سر پھاڑ دیا اس نے' شکر کر ملا شیر موجود تھا۔ بیچ بچاؤ کروا کر' اسے اپنے گھر چھپا رکھا ہے' پٹواری کے بندے اس کی بو سونگھ رہے ہیں تو یہاں گھر پر اکیلی ہے اس لیے تجھے وہاں بلایا۔" وہ ہونق سی ہونق تھی۔

"میں تو گھاٹ پر امرت کے کپڑے لینے گئی تھی' وہاں ملا شیر کے لڑکے نے دیکھ کر پیان کا پیغام دیا' زیادہ سوچ نہیں' نکلنے کی کر۔" اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے' حلق اندر تک خشک کانٹے دار' یہ تو معلوم تھا سب چھوڑ کر جانا ہے' مگر یوں تنہا.... وہ کبھی سہتی کو کبھی گھر کو دیکھتی' ہونٹ کاٹتی کچھ سوچ رہی تھی۔

"اب کیا سوچ رہی ہے' کیوں دیر کر رہی ہے۔"

اس نے اس کی ہری اوڑھنی اتار' اپنی شیشوں والی چادر اس پر لپیٹ دی۔ "یہ اوڑھ' تاکہ تیرا کسی کو پتا نہ چلے۔" وہ اس کا بازو تھامے باہر کی جانب کھینچتے جلدی جلدی مچاتی رہی۔

"ٹھہر تو سہی...." اس نے بازو چھڑایا' گھڑونچی پر سے لالٹین اور دیا سلائی اٹھائی۔ وہ خاص طور پر اس کی یاد دہانی کروا گیا تھا۔ پھر وہ گٹھڑی جو ابھی باندھی تھی اٹھانے کے لیے جھکی۔ سہتی نے اس سے پہلے جھک کر کھول دی۔

"کیا ہے اس میں؟" سب سے اوپر آدھ کڑھا سفید کرتا اور ہری لال چوڑیاں رکھی تھیں۔

"تو چوڑیاں لے کر جائے گی۔؟ یہ تو بجیں گی' کم عقل' شک ہو جائے گا کسی کو۔"

مبرا بے چارگی سے اسے دیکھنے لگی۔ "اچھا' یہ کرتا تو لینے دے' وہ پہن کر جائے گا' ناں۔"

سہتی نے کرتا جھٹک کر اٹھا لیا اور بغل میں داب لیا۔ "چل یہ لے لیتے ہیں' اب جلدی نکل۔" وہ اس کا بازو دبوچے کوئی لمبی چوڑی تفصیل سناتی کھینچی تیزی سے باہر بڑھ رہی تھی۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ مڑ مڑ کر گلی' گھر' رستے کی جانب دیکھتی جاتی۔ آنسو جو آنکھوں سے پھسل کر گالوں پر پھیلتے جاتے تھے' درختوں کی اوٹ' کیکر کے جھاڑوں سے ہوتی وہ وسطی پگڈنڈی سے خاصی دور عقبی کچے پر چل رہی تھی۔

"یہ کہاں لے جا رہی ہے' مجھے؟" اس کو قدرے تشویش ہوئی۔

"شش.... آہستہ بول۔"

وہ سرزنش کرتی کنویں کے پاس آرکی۔ "میری بات غور سے سن مبرا' سورج ڈوبنے کے بعد پیان یہاں کنویں کے پیچھے ملے گا' اب خاموشی سے ادھر آ۔" وہ پھر گھاٹ کے پیچھے دھوبی کی کچی پکی چہار اطراف سے ڈھکی برساتی کے پاس آرکی۔ برساتی کی دیوار کے باہر لمبی سی ناند تھی جہاں دھوبی کے گدھے کے ساتھ اور لوگ بھی چارہ ڈال کر اپنے چوپائے باندھ جاتے تھے۔ امرت بھی اکثر اپنا شیرو وہاں ہی باندھتا تھا۔

"تو اس میں چھپ جا۔" سہتی نے چارہ ایک طرف کرتے ناند میں اس کے لیے جگہ بنائی۔ مبرا کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔

"اس میں....؟"

"ہاں آں...." مبرا بھنوئیں سمیٹے نفی میں سر ہلاتی رہی۔

"اچھا چل۔" سہتی نے چند پل سوچا پھر اسے کلائی سے گھسیٹتی برساتی میں گھس گئی۔ اس کے ایک کونے میں میلے' دھلے کپڑوں کے گٹھڑ رکھے تھے' دوسری جانب چارے کے بورے' اپلوں کا ڈھیر۔ اس نے گٹھڑیوں کی جانب اشارہ کیا۔

"ان کے پیچھے چھپ جا۔"

"لیکن کیوں؟" اس نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ "تو تو کہہ رہی تھی پیان کے پاس...."

"تو بہت ہی جھلی ہے مبرا' پٹواری کے بندے اسے ڈھونڈ رہے ہیں' تیرے جانے سے اگر اس کا پتا چل گیا پھر.... تو یہاں بیٹھ' میں اسے بتا کر آتی ہوں تو کہاں

www.urdupalace.com

ہے..... وہ اندھیرے میں نکلے گا نا۔"
"اکیلے مجھے ڈر لگے گا سہتی۔"
"ڈرنے کی کیا بات ہے۔ بچپن میں ہم ادھر کھیلتے نہیں تھے، تھوڑی دیر میں سورج چھپ جائے گا، گرو کے واسطے تو یہیں بیٹھی رہنا، جب تک میں یا پیان تجھے لینے نہ آجائیں اور ہاں۔" وہ جاتے جاتے مڑی لالٹین کو دیکھا۔

"یہاں بتی نہ جلانا، کہیں کسی کو شک ہو جائے، بس کچھ ہی دیر میں پیان کو چھپا کر لے آتی ہوں، ہوشیار رہنا۔"

وہ سمٹی، دبکی اک گٹھری بنی بیٹھی تھی۔ بے ہنگم جگہ، بساند ہی بساند، تنہائی، نیم تاریکی، اس کا دل بے طرح سے دھڑک رہا تھا۔ پل پل صدی کی طرح گزرتا تھا۔ اسے سہتی کے خلوص پر کبھی شک نہیں گزرا تھا۔ پچھلے دنوں کتنے حالات خراب ہوئے، مگر سہتی کے رویے میں قطعاً" فرق نہیں آیا تھا۔ تائی ثریا اور پیان کے کہنے پر اس نے اس سے راہ و رسم بہت محدود کر لی تھی، لہجے میں ناگواری رکھتی، مگر وہ پہلی سی بے تکلفی ہی رکھتی تھی۔ اس کے نکاح پر بھی چوری چھپے آئی تھی۔ خاموش تھی، روئی بھی تھی اور بعد میں ایک دو ملاقاتیں ہوئیں تب بھی بہت مضمحل لگی تھی۔ جس طرح ہر سہیلی اپنی سہیلی کے نکاح اور ودائی کے خیال سے اداس رہتی ہے بالکل اسی طرح، پھر کیسے اس کی محبت پر شک کرتی۔ وہ صرف انتظار کر رہی تھی، پیان اور سہتی کا انتظار۔

پٹوار خانے سے گھر کی جانب آتی پگڈنڈی سے نیچے درخت اور جھاڑ کی اوٹ میں وہ بہت دیر سے ایسے بیٹھی تھی جیسے کوئی بلی گھات لگائے بیٹھی ہو، وہ آنکھوں سے زیادہ کانوں سے کام لے رہی تھی۔ بار بار کان اوپر کر کے گھبرو کے ٹاپوں کی آواز سننے کی کوشش کرتی۔

"وہ یہاں سے ہی گزرے گا۔" اتنا یقین تھا، لیکن گھبرو کے ٹاپوں کی آواز نہ آنی تھی نہ آئی۔ سہتی اپنی ماں کو ماما جی کے گھر کا کہہ کر آئی تھی۔

"اماں، میترو نے چاولوں کی پنیاں بنوانی ہیں، ماما جی کے چلی جاؤں۔" اماں کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کر فوراً بولی۔ "آج رات ادھر ہی رہوں گی۔"

اماں نے لسی بلوتے کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے، کل آتے سمے اپنی مامی کو ساتھ لے آئیو، تیری رضائیاں نگندنی ہیں اور میترو کو بھی لے آئیو۔"

اماں کی کھلی چھٹی سے وہ بے فکر ہو گئی۔ سورج غروب ہوا چاہتا تھا۔ ابھی تاریکی سارے رستے پر چھائی نہیں تھی۔ خاصی دور کوئی بغل میں کچھ دابے تیز تیز چلتا اسی جانب بڑھ رہا تھا۔ متوازی چال، مضبوط کاٹھی والا، سر سے صافہ اتار کر جھٹکا، منہ پونچھ شانے پر دھرا، کانوں سے نیچے تک آتے گھنگریالے بال، ڈوبے آفتاب کی نیم تاریکی میں بھی اس کی چمکتی صاف رنگت، وہ آنکھیں سکیڑے بغور اسے تک رہی تھی۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا درخت کے پاس سے گزرا، وہ جست لگا پگڈنڈی پر چڑھ گئی۔

"پیان!" پکار پر اس نے مڑ کر دیکھا، بھنوئیں استعجابیہ سکڑیں۔
"تو گھر جا رہا ہے؟"
"ہاں۔ کیوں؟ تو کیوں پوچھ رہی ہے اور یہاں کیا کر رہی تھی۔" اس کے کرخت انداز پر اس نے اپنے سینے پر ہاتھ پھیلاتے سانس بحال کی۔
"انتظار! میرا مطلب ہے تیرا بہت دیر سے انتظار کر رہی تھی، مبرا نے بتایا تھا تو پٹوار خانے....."
"لیکن کیوں؟"
اس کے درشتی سے جملہ کاٹنے پر وہ تھوک نگل کر بولی۔ "وہ تجھے بتانا تھا۔ تیرے گھر پر کوئی نہیں ہے، مبرا چلی گئی۔"

وہ پوری شدت سے چونکا اور پھر گھر کی جانب تیز قدم اٹھے۔ وہ اس کی تقلید میں بھاگنے کے انداز میں چلتی کہہ رہی تھی۔
"تایا، تائی صبح یہاں پہنچ گئے تھے، کچھ دیر تیری راہ دیکھی، ایام کوٹ سے ایک سرکاری اربن لاری قصور جا رہی تھی۔ اس میں سوار ہو گئے، لاری میں بہت سی

www.urdupalace.com

عورتیں، بچے تھے تائی اور مبرا کے خیال سے کہ خیریت سے پہنچ جائیں تایا خود تو چھت پر لٹک کر گئے ہیں۔۔۔ تو، تو جوان ہے، ریل یا قافلے میں بھی آسکتا ہے، رات کی ریل کا پیغام دے کر گئے تھے تیرے لیے۔" اس کے ایک سانس اطلاع پر وہ میکانکی انداز میں پلٹا، غرا کر دیکھا۔

"تو چپ کرتی ہے۔۔۔ یا۔۔۔!" سہتی کے قدم اور سانس دہشت سے رک گئے۔ "اور میرے پیچھے کیوں آرہی ہے؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔ "مبرا نے تجھے پیغام دینے کو کہا تھا۔"

"دے دیا؟ اب جا! ہونہہ۔" وہ گردن جھٹک تیز چلنے لگا وہ بھی پہلے آہستہ پھر تیز اس کے پیچھے آرہی تھی۔ گھر کی چوکھٹ پر پہنچ کر ایک بار پھر اسے گھورا اور دونوں پٹ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندھیرا پھیلتا جاتا تھا۔ گھڑونچی والی لالٹین غائب تھی۔ اس نے چوکھٹوں کے ساتھ بنے طاقچوں کی قندیلیں جلائیں اور مبرا کو پکارتا کمروں، کوٹھری کی جانب بڑھا۔

"تجھے یقین کیوں نہیں آتا، وہ یہاں نہیں ہے۔"

سہتی کے جملے نے اس کے اعصاب مختل کردیے۔ "بھلا وہ تنہا کیسے جاسکتی ہے۔ ابھی صبح تو وہ یہاں چارپائی پر بیٹھی تھی۔" پورے چاند کی روشنی میں اس کی نگاہیں چاندنی میں نہاتی خالی چارپائی پر تھیں۔ وہ تو اسے کہہ کر گیا تھا سامان سمیٹ کر تیاری رکھے، دیر کا ضرور کہا تھا، مگر نہ آنے کا تو نہیں، اس نے میرا اعتبار کیوں نہیں کیا، وہ جلدی ضرور آجاتا، مگر ایک تو پٹوار خانہ اگلے گاؤں، اوپر سے پٹواری کی بحث بہتی گنگا میں سب ہی ہاتھ کیا پورا وجود دھونا چاہتے ہیں۔ پہلے کاغذوں پر آئیں بائیں کرنے لگا۔ پھر مطالبات، رقم اس کے پاس نہیں تھی جو اسے چپ کرواتا، لیکن رقم سے زیادہ قیمتی وہ، جسے اپنے اور اس کے بچپن سے پالا تھا۔ خوب دیکھ ریکھ کی، گبھرو جو اس کا بہت لاڈلا تھا۔ پٹواری کی نگاہ اس پر ٹھہری، بہت مشکل فیصلہ تھا، مگر کرنا تھا۔ اسے پاکستان بھی نہیں لے جاسکتا تھا، چھوڑنا تو تھا ہی۔ کتنے لوگوں سے سنا تھا جانوروں کی رسیاں کھول کر اللہ کے نام پر چھوڑ گئے تھے، سو اس نے بھی دل پر پتھر رکھتے ہوئے اس کی باگ پٹواری کے حوالے کی۔ کتنی دیر اس کی پشت، پیشانی سہلاتا، چومتا رہا۔ تھکے قدموں وہ پیدل واپس آیا تھا، مگر ایسی بھی کیا دیر، اماں ابا آگئے تھے تو اس کا انتظار کیوں نہ کیا، کسی اور لاری میں چلے جاتے، مگر اکٹھے تو جاتے۔۔۔ جانے ان کی لاری کہاں کہاں ہوتی جائے، کہاں رکے، کیسے ڈھونڈوں گا انہیں۔ اس کے ذہن میں اک جھماکا سا ہوا۔

ابا کہہ رہے تھے۔ "ہم تو مرد ہیں، تنہا کہیں بھی آجاسکتے ہیں، مگر مبرا اور تیری ماں کے ساتھ ہم میں سے کسی ایک کا ہونا لازمی ہے۔" تو کیا ابا نے اپنا ہونا ضروری سمجھا، اسے چھوڑ گئے۔ نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے اسے کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ سر تھامے بہت دیر چارپائی پر بیٹھا رہا۔ میں نے جب سے اسے باہر نکلنے سے منع کیا تھا، اس نے قدم باہر نہیں رکھا، پھر آج میری اجازت کے بغیر، انتظار کیے بغیر کیسے چلی گئی۔۔۔ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ جھپٹنے کے انداز میں اٹھا، اس کو دونوں شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

"بتا مبرا کہاں ہے؟ سچ بول، ورنہ تیری جان لے لوں گا۔"

"تو قسم لے لے گرو کی، میری ماں کی، مبرا یہاں نہیں ہے، چلی گئی، وہ وہاں تیرا انتظار کر رہی ہے۔"

"بکواس کر رہی ہے تو، جھوٹ بول رہی ہے، وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔" اس نے جھٹکے سے اسے چھوڑا۔ غصے کی شدت سے آواز کانپتی، چہرہ انگارہ بنا تھا۔

"میں جھوٹ کیوں بولوں گی پیان۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ "میں نے ہمیشہ تیرا بھلا چاہا ہے، اب برا کیوں چاہوں گی۔"

وہ اس پر کرخت نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ اس کے آخری جملے سے الجھ سا گیا۔ اپنے بھائی کے مقابلے میں ہمیشہ وہ اس کی حمایت کرتی تھی اور جیسے جیسے امرت کا مزاج بگڑنے لگا تو کتنی بار اسے مبرا سے کہتے سنا۔

www.urdupalace.com

"پیان سے کہا کر' امرت' ارجیت سے پرے رہے' آج کل بڑی گرمی کھانے لگے ہیں۔" ایک بار براہ راست اسے سمجھا رہی تھی۔

"تو شہر جلنے میں گیا تھا نا' اب ذرا گھر ٹک کر بیٹھ' امرت غصے میں بھرا ہے۔"

"کیوں؟ میں ڈرتا ہوں اس سے' چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔"

"تو نے تو نہیں پہن رکھیں' مگر کسی اور کی چوڑیاں روٹھ جائیں گی' امرت تیرے لیے اچھا خیال نہیں رکھتا۔ مجھے تیری فکر ہے۔"

"اچھا!" وہ استہزائیہ ہنسا۔ "اپنے بھائی کے مقابل میری فکر' کیا لگتا ہوں تیرا؟" وہ بہت دیر چپ رہی پھر آہستگی سے بولی تھی۔

"میرا تو کچھ بھی نہیں لگتا' مگر میری سہیلی کا سب کچھ لگتا ہے۔"

"پھر فکر بھی سہیلی کو کرنے دے' چل ہٹ رستے سے۔" نہ اسے اس روز یقین آیا تھا نہ آج آتا اگر وہ یک لخت آخری پتا نہ کھیلتی۔

"تجھے یقین نہیں آرہا نا' یہ دیکھ اوڑھنی۔" اس سارے عرصے میں اس نے پہلی بار اس کی ہری اوڑھنی کو غور سے دیکھا۔ قندیل کی لہراتی لو میں جھلملاتا گوٹے کناری والا سبز آنچل! اس آنچل سے وابستہ رشتہ اور لمس کو پہچاننے کے لیے تیز روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔

"میرا نے مجھے یہ کہہ کر دی تھی کہ تو اسے دیکھتے ہی میری بات کا یقین کرے گا اور یہ دیکھ۔" اس نے بغل سے ادھ کڑھا کرتا نکالا جو گھبراہٹ میں میرا کو لینا یاد نہیں رہا اور اس نے تو شاید جان کر نہیں دیا تھا جب سہتی' میرا کی زبانی ساری تیاری اور جانے کا ارادہ سن کر گئی تھی۔ وہ ساری بازی ہار گئی تھی۔ اس کے ذہن نے تیزی سے کام کیا۔ چند گھنٹے تھے جو کرنا تھا' ان ہی میں کرنا تھا۔ اگر تایا تائی آگئے یا کسی طرح پکڑی گئی تو کیا ہوگا' زیادہ سے زیادہ پیان اسے مار دے گا یا پھر کبھی پلٹ کر نہیں دیکھے گا۔ دور تو وہ ویسے بھی جا رہا ہے اس کی جدائی میں ویسے بھی گھٹ گھٹ کر مر جائے گی' قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے اور ویسے بھی وہ پیان کو میرا سے کہیں زیادہ چاہتی ہے' زیادہ خوش رکھے گی۔ امرت میرا کو پسند کرتا ہے' اگر ذرا سے جھوٹ سے دو گھر خوش ہو سکتے ہیں تو برائی کیا ہے؟ یہ اس کی سوچ تھی۔ اس بات سے قطع نظر کہ دونوں خاندانوں میں کتنے فرق ہیں' مذہبی' معاشرتی اور اب تو ایک اہم سیاسی فرق بھی بن چکا ہے' مگر پھر بھی اس کے نزدیک عام سی بات تھی اور وہ اپنی سوچ میں کسی حد تک کامیاب ہی رہی جب پیان نے وہ کرتا دیکھا۔

"یہ دیکھ' میرا نے دیا تھا' تو اسے پہن کر جائے گا' ہاں۔" وہ یک لخت ڈھیلا پڑ گیا۔ اک سنسناتی لہر سارے بدن میں تیرتی تھی۔ کرتا ایک مضبوط حجت کی طرح تابوت میں ٹھکا تھا۔

"تو واقعی اس نے میرا اعتبار نہیں کیا' چلی گئی۔" دانتوں تلے بھرے لب کو زور سے کاٹا تھا۔

اب اسے پاکستان جانا تھا۔ ابھی' اسی وقت کوئی بھی ریل گاڑی یا قافلہ ملے' مگر ابھی جانا تھا۔

☆ ☆ ☆

خنک رات ہر طرف سناٹا بچھا چکی تھی۔ ایک پہر گزر چکا تھا۔ کہیں سے گیدڑوں کی چنگھاڑیں آتیں' کہیں گھوڑوں اور بیلوں کی گھنٹیوں کی۔ لحہ لحہ خوف' خدشے بڑھتے جا رہے تھے وہ زندگی میں پہلی بار ایسے تنہا اک اجنبی' ہولناک جگہ پر تھی۔ دل کی دھڑکن بدن پھاڑ دینے کی حد تک تھی۔ وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو پا تھا۔ بس ایک سیاہ رات تھی۔ لمحے کے ہر پل میں اسے ایک ہی احساس تھا۔ کہیں کچھ غلط تو نہیں ہو رہا' سہتی اس کے ساتھ غلط کیوں کرے گی؟ ہو سکتا ہے پٹواری کی وجہ سے پیان آج رکا رہے' دن چڑھے نکلے' کہیں خدانخواستہ... اور پھر دل دھڑ' دھڑ' دھڑ...

☆ ☆ ☆

وہ بہت دیر اضطراری کیفیت میں اپنے گھنگریالے

www.urdupalace.com

بالوں میں انگلیاں چلاتا رہا۔ گہری سوچ سے اس کی چوڑی پیشانی پر شکنیں بڑھیں' قطرے چمکے' دانت کچکچائے۔ کبھی پشت پر ہاتھ باندھے گہرے سانس لیتا' کبھی ہتھیلی پر مکے مارتا۔ رات کا بہت سا حصہ بیت چکا تھا۔ اس نے اپنا صافہ کندھے سے اتار کر چہرہ پونچھا اور پھر تیزی سے باہر نکلا تھا۔ کاغذوں والی دستی فیفے میں اڑسی۔ وہ بھی پیچھے اسی رفتار سے چل رہی تھی۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا کچی گلی عبور کر کے تیزی سے پگڈنڈی پر چڑھ گیا۔ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر الجھا تھا کہ بہت آگے جا کر اپنے تعاقب میں آتے قدموں کا احساس ہوا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ چاند کی روشنی میں بھی اس کا سانولا وجود صاف دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ بہت اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ جیسے وہ رکا' وہ بھی رک گئی۔ اسے اب یاد آیا وہ تو بہت دیر سے اس کے ساتھ ہے۔ رات شروع ہونے سے پہلے سے' لیکن کیوں؟ اپنے گھر کیوں نہیں جاتی؟ پیغام دینا تھا دے دیا' اب جائے! اس نے تنقیدی ابرو اٹھائیں۔

"اب کیا ہے' کیوں پیچھے آرہی ہے؟"

وہ چہرے کو دوپٹے سے مزید لپیٹتے ہوئے بولی۔ "پیچھے نہیں آرہی' تیرے ساتھ جارہی ہوں۔"

"تو ہوش میں ہے؟" وہ کرختگی سے بولا تھا۔

"ہاں! پورے ہوش میں ہوں' اب اگر اتنی رات میں گھر جاؤں گی' امرت ویسے ہی مجھے مار دے گا' مجھے یہاں نہیں رہنا' جہاں تو جائے گا میں بھی چلی جاؤں گی۔"

"بکواس بند کر اپنی' جا یہاں سے' میری ریل آنے والی ہے۔" وہ پٹڑی سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ عموماً لاہور جانے والی ریل صبح وہاں سے گزرتی تھی۔ وہ اسی کے انتظار میں تھا۔ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ خود سپردگی کے عالم میں دو قدم آگے بڑھی۔

"تو مرا کو کیسے پہچانے گا' اس نے میری چادر اوڑھی ہے' اپنی چادر کو میں پہچان کر تجھے بتادوں گی۔"

"میری آنکھیں سلامت ہیں' ڈھونڈ لوں گا اسے۔" اس کے لہجے میں واضح درشتی تھی۔

"دیکھ پیمان" اس نے ہاتھ جوڑے خوف' امید' متذبذب انداز میں۔ اس کا نقاب گرا وہ منمنائی۔

"مجھے اپنے ساتھ لے چل' جو' جیسے تو کہے گا میں کروں گا' تائی کی خدمت' مفت کی نوکرانی۔ میں تیرا دھرم بھی اپنالوں گی' مگر مجھے چھوڑ کر نہ جا۔" وہ قدم قدم آگے بڑھی۔ اس نے انگشت سے روکا۔

"پیچھے ہو۔! تو جانتی نہیں ہے میرا تیری سہیلی سے کیا رشتہ ہے۔"

سہیلی کے ذکر پر وہ یک لخت ہکلائی۔ "ہاں ہاں۔ میں تو تم دونوں کی نوکرانی بن کر رہوں گی' اور مرا تو مجھے دیکھ کر خوش ہو جائے گی' اعتراض نہیں ہوگا۔" وہ اس کی رونی صورت' جڑے ہاتھوں کو غصے سے دیکھ رہا تھا۔ ریل کی پٹڑی کے ساتھ ٹاپوں کی آواز آرہی تھی۔ پہلے دور پھر آہستہ آہستہ نزدیک آنے لگی۔ سہتی نے اپنا منہ پھر سے ڈھانپ لیا۔ سوار کے بائیں ہاتھ میں ایک کرپایا تھا جس کے سرے پر قندیل کی طرح آگ روشن تھی۔ سوار نے ان سے کچھ ہی فاصلے پر گھوڑے کی باگیں کھینچیں۔ سوار کا چہرہ سامنے آگیا۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں' سر پر پگ' لمبے چہرے کی استہزائیہ کھنچی جلد۔ وہ اپنا چہرہ خوب لپیٹ پیمان کی اوٹ میں ہولی کانپ رہی تھی۔ سوار نے تضحیک آمیز قہقہہ لگایا۔ کرپایا ایک ہاتھ سے دوسرے میں اچھال کر پکڑا۔

"اچھا' تو یہ تو ہے۔ رات کے اندھیرے میں ڈر کر بھاگ رہا ہے..... اکیلا اکیلا..... ہا۔ ہا۔ ہا بڑا جی ہے تیرا۔"

"ایک تو یہ رات نہیں' صبح چڑھنے والی ہے۔" پیمان کی گمبھیر تا آواز اسی کے طنزیہ لہجے میں ابھری تھی "دوسرا ڈر کر نہیں' تھوک کر جارہا ہوں۔ اور تیسرے۔ اکیلا نہیں ہوں۔" اس کے تیسرے جملے پر وہ پوری کمینگی سے ہنسا اور گھوڑے کو دو قدم اس کی پشت کی جانب بڑھایا۔ جہاں وہ چھپ رہی تھی۔

"نظر آرہی ہے' تیرے پہلو میں دبکی تیری رانی۔"

"ہنہ" پیمان خفیف سا مسکرایا۔ "لیکن تو جانتا نہیں ہے' یہ کون ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں بڑھتی

www.urdupalace.com

خباثت کو تحقیر سے دیکھتا جان کر ایک جانب ہٹا تھا۔ وہ ایک قدم اور آگے آگیا۔

"چھوڑ جا... ابھی آشنائی کر لیتا ہوں۔"

اس نے کمینے پن سے آنکھ دباتے ہری جھلملاتی اوڑھنی کھینچ لی۔ بہت زور سے بادل کڑکا تھا یا آتش فشاں ابلا۔ لال اندھیری یا پھر شدید گرد باد' امرت کی آنکھوں سے نکلتی لپٹیں قندیل کی آگ سے کہیں تیز تھیں' وہ ایک جست میں تیرو سے نیچے تھا۔ شدید ردعمل' اس کے اک جھٹکے سے وہ بہت دور پتھروں پر جا گری۔ اس کا نرم ہونٹ پھٹا' لہو بہنے لگا۔ امرت نے پیان کو بری طرح دبوچ کر گرا دیا تھا۔

"تیری اتنی جرأت میری بہن کو بھگا کے لے جا رہا ہے۔"

"اپنی بہن سے پوچھ بے غیرت' جو بھاگنے کے لیے مری جا رہی ہے۔" غلیظ گالم گلوچ کے دوران وہ اس گلا دبانے کی کوشش میں تھا۔ پیان نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"چھوڑ دے اسے امرت' اس کا قصور نہیں ہے' مجھے مار دے' میں خود اس کے ساتھ نکلی ہوں' نہیں رہ سکتی اس کے بغیر..." سہتی کی ملتجی رندھی آواز اسے گرم چابک کی طرح محسوس ہوئی۔ آنکھوں سے شعلے نکل آئے' اس نے تہہ بند سے ایک خنجر نکالا اور بازو پوری قوت سے پیچھے لے جا کر آگے ہو' پیان کو مارنے کو تھا۔ خدا جانے اس دبلی پتلی سانولی لڑکی میں کہاں سے اتنی طاقت آگئی اس نے بھائی کے ہاتھ سے خنجر چھینا اور آن واحد میں اس کی گردن میں گھونپ دیا۔ تڑپ کر گرتے امرت کو دیکھ کر نہ صرف پیان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں بلکہ سہتی پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھ اور بھائی کی گردن دیکھنے لگی۔ اس گردن سے ابلتے لال فوارے کو دیکھ کر پیان نے متاسفانہ کہا تھا۔

"امرت' دیکھ لیا۔ مسلمان خون کی بددعا کا اثر' آج کیسے تو اپنے خون کے ہاتھوں موت کے منہ میں جا رہا ہے۔" اس کی بند ہوتی آنکھوں کو اس نے تنفر سے دیکھا اور تیزی سے شیرو پر سوار ہو کر' اسے بھگا لے گیا۔ پاگلوں کی صورت بیٹھی سہتی میں یک لخت جان پڑ گئی وہ اپنی اوڑھنی سنبھالتی اسے پکارتی پیچھے پیچھے بھاگی۔

"پیان..... پیان' میری بات سن' مجھے ساتھ لے کر جا۔ واپس آجا....." وہ گرتی پڑتی' لڑکھڑاتی پڑیانی کیفیت میں اسے پکارتی پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ سبز جھلملاتی اوڑھنی ریل کی پٹڑی پر ہی گر گئی۔ اور وہ دھول اڑاتا بہت آگے نکل گیا تھا۔ سہتی ریل کی پٹڑی پر سر مار مار کر لہولہان ہو گئی' پیان سے محبت اس کے دماغ کو چڑھ گئی تھی۔ دماغ نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا۔

☆ ☆ ☆

آسمان پر صبح کی سفیدی پھیل رہی تھی۔ آخری تارہ ڈوبنے سے پہلے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ اگرچہ کھیتوں میں ابھی نیم تاریکی تھی۔ مناظر غیر واضح سے تھے کچھ دیر پہلے تاریکی میں اس کا وحشت بھرا اول پوری شدت سے دھڑکا تھا۔ غیر معمولی گھبراہٹ' سانس رک رک جاتی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے دیا سلائی سے لالٹین جلائی تھی۔ پھر ایک کھٹڑ سے لپٹ کر سسکنے لگی۔

"میرے سوہنے اللہ! اپنے وطن تک جانا کتنا مشکل ہے' ہجرت میں بڑی کٹھنائیاں ہیں۔" جیسے جیسے باہر صبح کا احساس جاگنے لگا۔ وہ ناند سے جڑی دیوار کے سوراخوں سے پار دیکھنے لگی۔ شاید پیان یا سہتی نظر آجائے۔ باہر ملگجا اندھیرا اور ہلکی ہوا کی سرسراہٹ تھی۔ اس نے کئی بار سوچا۔ یہاں سے گھر چلی جائے۔ گھر کا رستہ آتا تھا۔ مگر ہر بار کی طرح سوچ کر بیٹھ گئی۔

"کہیں پیان مجھے یہاں ڈھونڈتا رہے' مجھے نہ پا کر پریشان ہو گا' جانے گھر کا خیال آئے گا بھی یا نہیں۔"

صبح کے اولین لمحے تھے۔ اوس کے قطرے جا بجا ہرے پتوں' کونپلوں کو غسل دیتے تھے۔ تازگی کی مہک چہار سو تھی۔ پرندے میٹھی آواز میں ذکر الٰہی میں محو اور شیطان اپنا شکار ڈھونڈتا تھا۔

☆ ☆ ☆

www.urdupalace.com

وہ علی الصبح راج نگر پہنچا تھا۔ چہرے سے تھکاوٹ کے اثرات زائل کرنے کے لیے نہر کنارے بیٹھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کے چھپکے مارے، کھڑے ہو کر باری باری دونوں پاؤں جوتے سمیت نہر میں ڈبو کر نکالے۔ وہ بہت عرصے بعد راج نگر آیا تھا۔ اور ماموں رندھاوا کے گھر صاف ستھرا ہو کر جانا چاہتا تھا۔ دل خوش گمان تھا شاید دروازہ سہتی ہی کھولے، وہ اس کے خیالوں میں مست گیلے چہرے کو ہاتھوں سے پونچھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ہری چرن کی برساتی پر گئی۔ سوراخوں سے مدھم روشنی جھانک رہی تھی۔

"آج چرن بڑی صبح صبح آگیا۔" وہ خود کلامی کرتا مڑا۔ عرصہ ہو گیا تھا ہری چرن سے ملاقات کیے، وہ حال احوال پوچھنے کی غرض سے کھنکھارتا برساتی کی جانب بڑھا۔ وہ باہر کسی موجودگی کے احساس پر ٹھٹکی، دل کہہ رہا تھا باہر بیان آگیا ہے، وہ لالٹین والا ہاتھ اونچا کیے اپنے چادر درست کرتی باہر کی جانب نکلی۔

"تو...!" وہ یکدم ٹھٹکا۔ بے یقینی، خباثت میں ڈوبنے لگی۔ اس کی وحشت بھری آنکھیں پھیلیں۔ نڈھال بدن لرزا، دھڑکن تیز، دودھیا بے داغ رخساروں پر خوف کا سایہ۔ وہ الٹے قدموں اندر کی جانب سرکتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"نہیں ارجیت... نہیں..." اس نے امرت کی زبانی متبرا کے ملکوتی حسن کے بڑے تذکرے سنے تھے۔ بہت عرصے پہلے اس گوری چٹی لڑکی کو دیکھا بھی تھا لیکن آج اس کا چڑھتا شباب اس کی آنکھوں میں شیطانیت بھرنے لگا۔ اس کی غلیظ نگاہیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ سہتی تو اس کے پاسنگ بھی نہیں تھی۔ وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتا آگے بڑھ رہا تھا۔

"ارجیت، مجھے ہاتھ مت لگانا، میں تیرے دوست کی امانت ہوں۔" اس کے چہرے پر تمسخر بکھر گیا۔

"چل کیا یاد کرے گی، ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" وہ مزید آگے آیا۔

"ارجیت میں کہہ رہی ہوں۔ یہاں سے چلا جا... ورنہ..."

"کیا ورنہ۔" لہجے میں ناپاکی امڈتی تھی۔ "اب کون ہے تجھے بچانے والا یہاں۔"

"میرا رب۔ وہ بچائے گا مجھے۔" بے ترتیب سانسیں، ترحم بھری نگاہیں۔ کانپتے قدم ایک گٹھڑ میں الجھے، وہ دھڑام سے اوندھی گری لالٹین ہاتھ سے چھٹتے ہی الٹ گئی، کپی پر ڈھکن نہیں تھا۔ تیل گرا اور چنگاری نے بڑے سے گٹھر کو پکڑ لیا۔ خشک کپڑے، گھاس پھوس، اپلے اور ان سب کے بیچ نسوانی چیخیں، پیان کی پکار۔ یک لخت پھیلتی آگ دیکھ کر ارجیت خوف زدہ ہو باہر کی جانب لپکا تھا۔ اور اسے اس تنور میں جلنے کے لیے چھوڑ گیا۔

آگ کے دریا میں، خوں اپنا جلایا تھا
اے خاک وطن، تجھے کیسے، کیسے بسایا تھا

کچھ ہی دیر میں اس تنور کے گرد کئی راہگیر اکٹھے ہو گئے۔ نہر سے بھر بھر بالٹیاں پھینکتے، شعلے پھیلتے جاتے۔ شعلے ٹھنڈے ہونے تک نسوانی آواز آنا بند ہو گئی تھی۔ ہری چرن کو خبر ہوئی۔ دل تھامے گرم جلتی بجھتی راکھ میں کود گیا۔ اندر راکھ کے سیاہ ڈھیر، دھوئیں کے بادل اور کسی جسم کے جلنے کی شدید بدبو تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ شیرو کو بھگاتا بہت دور نکل گیا تھا۔ تقریباً" حد بندی کے قریب ہی تھا جب بہت دور کوئی قافلہ جاتا دکھائی دیا۔ اس نے شیرو کو ایڑھ لگائی اور تیز بھگاتا قافلے میں جا ملا۔ خاصا دن چڑھ آیا تھا۔ ہر منظر دھوپ کی تمازت میں دہک رہا تھا۔ چند افراد سے ملتے ہی اس نے رام پت کے قافلے کو پہچان لیا۔ اسی میں اس کے ننھیالی اور اماں ثریا بھی شامل تھیں۔ صلاح الدین کی غیر موجودگی پر اس نے ماں سے استفسار کیا تو ثریا کا منہ کھلا رہ گیا۔

"وہ تو راج نگر تم دونوں کو لینے گیا ہے۔" غالباً" صلاح الدین رام پت سے تنہا آرہے تھے۔ ثریا کی والدہ کی طبیعت اگرچہ خراب تھی۔ مگر شوق دید وطن

www.urdupalace.com

بے طرح تھا۔ بھائیوں نے اگلے دن ایک قافلے کے ساتھ جانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ثریا نے بھی صلاح الدین سے ان کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔

"میں اماں کے ساتھ چلی جاتی ہوں' بیمار ہیں دھیان رکھ لوں گی' تم مبرا' پیمان کو لیے پہنچ جانا۔"

صلاح الدین ان کے قافلے کو رخصت کرنے کے بعد راج نگر کے لیے نکلے۔ ابا کا سنتے ہی پیمان کے ہوش اڑ گئے۔

"تو کیا اس سہتی کمینی نے میرے ساتھ جھوٹ بولا... پھر مبرا کہاں گئی؟" وہ وہاں سے ہی واپس پلٹنا چاہتا تھا۔ اس نے بہت کوشش بھی کی مگر ثریا رونے پیٹنے لگ گئیں۔

"پیمان الدین وہاں بہت قتل وغارت ہو رہا ہے' ہم پرسوں کے نکلے راستے بدل بدل آج یہاں تک پہنچے ہیں' اگر تجھے کچھ ہو گیا میں یہاں اکیلی کیا کروں گی۔"

"لیکن اماں... وہاں ابا اور... مبرا جانے کہاں ہے کس حال میں ہے۔"

"میرے پتر تو فکر نہ کر' تیرا باپ راج نگر پہنچ چکا ہو گا وہ مبرا کو ڈھونڈ لائے گا۔"

انہیں پاکستان کیمپ میں آئے کئی روز گزر چکے تھے۔ ہر نئے آنے والے قافلے کو وہ پوری طرح دیکھتا ریڈیو پر روز اعلان کرواتا لیکن صلاح الدین اور مبرا کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔ ماں کے ہزار رونے منع کرنے کے باوجود وہ اس رات راج نگر جانے کی تیاری کر رہا تھا جب ملا شبیر کے قافلے نے آ کر صلاح الدین اور مبرا کے ختم ہونے کی اطلاع دی۔

صلاح الدین جب راج نگر پہنچے' گھر خالی تھا سامان سمٹا ہوا اور برآمدے میں اک آدھ کھلا گٹھڑ پڑا تھا ان کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ وہ بچوں کی تلاش میں ادھر ادھر نکلے' نہر کے رستے پر ہری چرن سے ملاقات ہوئی وہ خاصا بوکھلایا ہوا تھا۔ اس نے رازدانہ انداز میں بتایا تھا۔

"مہاراج بہت عرصہ تمہارا کھایا ہے' سچ کہتا ہوں فوراً پاکستان چلے جاؤ۔ یہاں حالات بہت خراب ہیں' مبرا اور پیمان بھی یہاں سے چلے گئے ہیں' خود جاتے دیکھا ہے۔" اس نے اپنی برساتی میں مبرا کے جل جانے کی خبر بہت ہوشیاری سے چھپالی تھی۔ مبادا وہ اسی پر شک کریں اور بدلے میں اسے یا اس کے خاندان کو جلادیں۔ پیمان کے غصے سے تو وہ خوب واقف تھا۔ اس کی بات پر شاید انہیں خاص یقین نہ آتا پر ایک دو اور ملنے والوں نے بھی ایسا ہی قیافہ لگایا۔ وہ ریل کی پٹڑی کے پاس سے گزر رہے تھے جب گرد میں اٹے سبز جھلملاتے آنچل پر نگاہ گئی۔ وہ چونگے جھاڑ کر اٹھالیا۔ وہ یہ خود خرید کر لائے تھے کیسے بھول سکتے تھے۔ انہوں نے متلاشی نگاہ چہار جانب دوڑائی۔ پھر ایک ہی خیال آیا تھا۔ "ممکن ہے ریل پر چڑھ گئے ہوں' آنچل چمک دھمک کی وجہ سے پیمان نے پھنکوا دیا ہو۔" کیونکہ اس قسم کے واقعات سننے میں آ رہے تھے ملا شبیر اپنی بیوی' بیٹی اور کئی دوسرے افراد کے ساتھ پاکستان کے لیے روانہ ہونے کو وہاں سے ریڑھوں پر گزر رہا تھا صلاح الدین بھی اس میں شامل ہو گئے۔ فتنہ پرست گوروں نے پاکستان کو وہ علاقے دیے تھے جن کے اکثر راستوں میں ٹھاکروں' راٹھوروں کے گاؤں پڑتے تھے۔ وہ پتھر دل تقریباً" ہر قافلے پر ٹوٹ پڑتے۔ اس قافلے پر بھی دھاوا بول دیا کئی افراد قتل کرنے کے بعد ایک بدبخت کی نگاہ ملا شبیر کی لڑکی پر پڑی وہ اس کا بازو کھینچنے لگا صلاح الدین سامنے آ گئے۔ اس ظالم نے ان کے پیٹ میں اپنا کرپا گھونپ دیا اور پیچھے سے کوئی خنجر اس لڑکی کے بھی آ لگا وہ تڑپتے صلاح الدین کے بازو پر جا گری۔

بڑی غمگین' لہو رنگین ہے اک داستان
ہمارے آباء نے رکھا تھا' جس کا نام پاکستان

کل ساٹھ افراد کا قافلہ تھا جن میں سے گنتی کے چند لوگ بھاگ کر اپنی جان بچا پائے۔ انہوں نے ہی آ کر صلاح الدین اور اس کے بازو پر پڑی لڑکی کا بتایا تھا۔

"نہیں نہیں چاچا' وہ مبرا نہیں ہو گی۔ مبرا کیسے مر سکتی ہے۔" اس کا دل اس خبر پر یقین کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اسے کیا خبر اس کی محبت چیختی چلاتی اسے پکارتی شعلوں کی نذر ہو گئی تھی۔

www.urdupalace.com

وہ چلا چلا کر ایک ہی بات کر رہا تھا "نہیں تجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی۔"

"کیوں باؤلا ہوا ہے' تیرے باپ کے بازو پر بھلا اور کون ہو سکتی ہے۔ صبر کر پیمان الدین صبر۔"

صبر' اس سے سانس لینا دشوار تھا اس کا بس نہیں چلتا تھا ابھی راج نگر جائے اور کونہ کونہ چھان مارے کہیں سے بھی مبرا کو نکال لائے۔ لیکن ثریا نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ اسے خدا کے' اپنی بیوگی کے واسطے دیتیں۔ اور دو سال یہی واسطے دے دے کر آخر اس کا نکاح زہرہ سے کروا دیا۔ ان کا خیال تھا شادی ہوگی' بچے ہوں گے تو بھول پڑ جائے گی۔ پیمان تو اسے کیا بھولتا خود ان کے لیے مبرا کو بھلانا مشکل ہو گیا۔

سال بعد ہی اللہ تعالیٰ نے مبرا کی ہم شکل ام ہانی عطا کر دی۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی' ہو بہو مبرا جیسی بنتی گئی۔ اسی طرح شرماتے گال لال کر لینا۔ پلکیں جھپکنا' مسکراتے رہنا۔ یہاں تک کہ بائیں گال پر ہنستے ہوئے مبرا کی طرح گڑھا پڑتا۔ ثریا اسے اپنے ساتھ لپٹا لپٹاتیں اور ساری رات اسے یاد کر کے آنسو بہتے رہتے۔ بہت سے پچھتاوے گھیر لیتے آخر ان ہی پچھتاوں میں انہوں نے آخری ہچکی بھی لے لی۔ اور پر سکون ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

پاکستان کی سیاسی قیادت کو دشمن جمنے نہ دیتے تھے کوئی نہ کوئی مسئلہ اٹھتا رہتا' اس کمزوری کو بھانپتے ہوئے فوج نے ملک پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ سرپرستی سے محروم زمین پر دشمن نے رات کے سیاہ سناٹے میں اپنا وار کیا۔ قوم متحد تھی۔ ابھی کسی کے بھی زخم پوری طرح نہیں سلے تھے۔ مرد باڈروں پر جانے کے لیے تیار تھے اور خواتین گھروں میں باقاعدہ قرآن خوانی کی محفل رکھ لیتیں' اپنی فوج' اپنے ملک کی سلامتی کے لیے جذبے سے دعا مانگی جاتی۔ مسجدوں میں نوافل ادا کیے جاتے۔

عثمان سفید ریشم سے کڑھا کرتا پہنے اپنے بکرے سے کھیل رہا تھا۔ سائیں کی نگاہ کڑھائی پر جمی تھی۔ زہرہ سے استفسار پر پتا چلا یہ بھی بی بی نے بنایا ہے ہمیشہ کی طرح غیر ارادی سرد نگاہ دور اس کی پشت پر گئی اور پلٹ آئی۔ ام ہانی' بی بی سے اپنی چٹیا گندھوا کر غسل خانے کی جانب وضو کرنے کے لیے بڑھی تھی۔ عثمان کو لاپروائی سے کھیلتے دیکھ کر زور سے چلائی تھی۔

"تو نے اذان نہیں سنی' جا۔ جا کے نماز پڑھ' حاجت کے نفل بھی پڑھ کر آ۔"

"پڑھ لوں گا' ابھی بڑا وقت ہے۔" وہ کہہ کر بکرے کے منہ میں گھاس ٹھونسنے لگا' اس نے بھائی کے ہاتھ سے گھاس کا دستہ کھینچ لیا۔

"بھول گیا کل بی بی نے کیا کہا تھا' یہ وقت نہیں ہوتا مہلت ہوتی ہے کہ مجبوری کی وجہ سے اگر دیر ہو گئی تو بندہ ٹھہر کر ادا کر دے' تجھے کیا مجبوری ہے' اسے زبردستی گھاس ٹھونسنے کی۔"

اس کے لفظ اور انداز نے سائیں کو متحیر کر دیا۔ جملے مناظر سمیت آنکھوں میں ناچنے لگے۔ شکن آلود پیشانی سے قطرے صاف کرتے ہوئے اونچی آواز میں ام ہانی کو پاس بلایا بمشکل رکی سانس بحال کی اور دھیرے سے کہا۔

"تو اپنی بی بی سے پوچھ' وہ کس علاقے سے آئی ہے' آخر بتاتی کیوں نہیں۔" پھر قدرے توقف سے بہت مدھم سا بولا۔

"اچھا چل رہنے ہی دے۔" بیٹی کے کندھے پر ہاتھ رکھ اٹھا اور بیرونی دروازے کی سمت بڑھا عثمان فیضان کو بھی اپنے ساتھ نماز کے لیے لے گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ریڈیو پر خبروں کے ساتھ جوشیلے ترانے لگتے۔ اور ساتھ ساتھ فوجی امداد و سامان کے لیے دعاؤں کی درخواست نشر ہوتی' وہاں چندے کی اپیل بھی شامل تھی۔ مسجدوں' اداروں' اسکول اور گھروں میں بھی سب نے چندہ مہم شروع کی تھی۔ ام ہانی نے رات زہرہ کو میڈم کی ساری تقریر سنائی جو چندہ جمع کرنے کے

www.urdupalace.com

لیے تھی۔ زہرہ کے پاس چند روپے تھے۔ صندوق سے نکالے' دے دیے۔ بی بی نے سنا بے دم ہو کر لیٹ گئی۔ بی بی ساری رات جاگتی رہی گرم قطرے سکڑی جلد کو بھگوتے رہے "اگر پیسے کی کمی سے جنگ ہار گئے' تو کیا ہو گا۔ بغیر جنگ کے پہلے اتنا قتل و غارت ہوا تھا' اپنے بچھڑ گئے' اور اب جنگ ہار جانے پر تو شاید کوئی بچے گا ہی نہیں.... آہ! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں جو چندے کے لیے دوں۔"

وہ روتی جاتی اور فوج کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگتی جاتی۔ آنسو پونچھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی ناک سے ٹکرایا۔ وہ فوراً" اٹھ بیٹھی اور لمحے میں فیصلہ کیا۔ اس نے اپنا کوکا اتارا دوپٹے کے پلو پر باندھا' ناک ننگی ہونے کے خدشے پر کرہین چارپائی کی بان کا تنکا توڑ' پرد لیا۔ زہرہ ہمسایوں کے ہاں قرآن خانی پر گئی تھی۔ جنگ آخری مراحل میں تھی دعاؤں پر زور تھا۔ دونوں لڑکے بھی ساتھ لے گئی تھی۔ ام ہانی اور بی بی گھر پر تھے اس نے دوپٹے کا پلو کھول کر ام ہانی کے ہاتھ پر کوکا رکھا۔

"یہ میڈم کو چندے کے لیے دے آ۔" وہ کچھ دیر حیرت سے دیکھتی رہی پھر پوچھا۔

"کتنے کا ہو گا۔ بی بی۔"

"پتا نہیں' لیکن بہت قیمتی ہے۔" اب وہ بچی کو اس کی قیمت کیا سمجھاتی۔ یہ واحد نشانی تھی لیکن ایسی نشانی کا کیا کرنا جب نشانی دینے والوں کی جانیں ہی خطرے میں ہوں۔ میڈم کا گھر چند گلیاں چھوڑ کر تھا۔ وہ دوپٹا پھیلاتی باہر نکل گئی۔ گلی کے نکڑ پر ہی سائیں دفتر سے آتے ہوئے مل گیا۔ بھنوئیں اچکا کر پوچھا۔

"کہاں جا رہی ہے؟" اس نے مٹھی کھول کر باپ کے سامنے کر دی۔

"بی بی نے دیا ہے' چندے کے لیے۔" اسے لگا تھا دل کئی دھڑکنیں بھول کر پھر سے دھڑکا تھا' آنکھیں پتھرائی' قدم ایسے جم گئے جیسے میخیں گڑ گئی ہوں وہ سات سیاہ نگوں کا سونے سے بنا بڑا سا لونگ تھا۔ بہت چاہت سے نکاح کے تحفے کے طور پر ڈھونڈ کر لایا تھا۔ مہرا کو تو اس کا لایا کانٹا بھی دل جان سے قبول تھا لیکن لونگ ثریا کو بہت پسند آیا۔ اور اس کی ناک میں ڈال دیا۔ چند دن میں ہی اس کا درمیانی بڑا نگ نکل کر کہیں گر گیا تھا۔ کوکا برا لگنے لگا۔ مہرا نے اتار کر سنبھال لیا۔ ثریا نے ڈپٹا تھا۔

"بھری ناک سہاگن کی علامت ہوتی ہے۔ ڈال اسے۔"

"لیکن تائی وہ برا لگ رہا ہے' جیسے کانا ہو۔" ثریا پہلے اس کی بات پر ہنسی پھر اس سے لے کر اسی وقت ہمسائے میں رہنے والے نجو سنار کے ہاں گئیں۔ اس وقت اس کے پاس سیاہ نگ نہیں تھا۔ ثریا نے کہا۔

"پا جی کوئی بھی لگا دو۔" ایک زرد موٹا سا موتی تھا اس نے وہ دکھا کر اچھی طرح گاڑھ دیا۔ جب پیان نے دیکھا اسے بہت غصہ آیا۔

"اماں یہ کیا تو نے دو رنگی بھدا کروا دیا۔ مجھے اتروا کر دینا میں ٹھیک کروا لاؤں گا۔" جس طرح اور بہت سے کام آج کل پر ٹلتے رہے اس کوکے میں بھی زرد موتی ٹنکا رہ گیا۔ ام ہانی کی ہتھیلی سے کوکا اٹھایا۔ اپنی پوروں میں گھماتا گم صم تھا۔ پھر اسے کہا۔

"تو جا' یہ میں دے آؤں گا۔"

بچی اثبات میں سر خم کرتی سامنے اپنی سہیلی کے چلی گئی۔ وہ نل پر کھڑی وضو کر رہی تھی۔ اسے داخل ہوتا دیکھ کر فوراً" چادر کھینچ کر آگے کی۔ اور پلو سے بایاں رخسار چھپا لیا۔ شاید اسی لیے آج تک کوکے پر نگاہ نہ جا سکی تھی وہ تیزی سے بڑھا اور اس کی پشت پر کھڑا ہوا۔

"کون ہو تم۔؟" بی بی نے سر جھکاتے اپنا رخ مزید موڑ لیا۔

"میں نے تم سے پوچھا ہے' کون ہو تم' اور یہ کہاں سے ملا' کس نے تمہیں دیا تھا۔" اس کا لہجہ خاصا کرخت تھا۔ تین سالوں کے کسی ایک پل میں بھی اسے یہ گمان نہیں گزرا تھا اگر کبھی اس کی آواز سنی تو وہ ساکت بھی ہو سکتا ہے۔ کئی بار اس کے کاموں' باتوں پر ٹھٹکا' اس کا گمان تھا شاید یہ راج نگر سے ہو۔ اماں نے بہت سی لڑکیوں کو قرآن پاک پڑھا رکھا تھا۔ سلائی

www.urdupalace.com

کڑھائی' کھانا پکانا سکھایا تھا ہو سکتا ہے کبھی آتی ہو اور ہو سکتا ہے اس سے مبرا کے بارے میں کچھ پتا چل جائے مگر وہ چپ رہتی تھی۔ بغور اس کا چہرہ دیکھنا معیوب حرکت تھی۔ لیکن آج اس کی آواز۔

"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں سائیں' میرا وقت گزر گیا۔" اس کے گرد دھماکوں کا ایسا شور تھا جتنا کہ سرحدوں پر نہ تھا۔ در و دیوار چہار اطراف گھومتے محسوس ہوئے' زمین پیروں تلے کھسکتی جا رہی تھی۔ اسے اپنے گنگ ہونے کا گمان گزرا۔ وہ اسے گم صم دیکھ کر نل سے ہٹی اور جانے لگی اس نے بہت ہمت سے اس کا پلو دبوچا اور پلو بائیں رخسار سے سرکتا چلا گیا۔ زمین شدت سے کانپی تھی آسمان گرنے کو تھا۔ شاید بھاگتے دشمن نے کہیں قریب ہی بم پھینکا تھا۔

"تت... تو...!!!" ہری چرن بدبودار دھوئیں کے مرغولوں میں چیزیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ ایک ٹھنڈے وجود پر پڑا۔ پوری قوت سے اسے سیدھا کیا۔ وہ بہت بہت دیر بعد سانس لے رہی تھی۔ آدھے سے زیادہ چہرہ جل چکا تھا۔ ہاتھ پاؤں بری طرح جھلس گئے تھے۔ اس نے باہر آکر لوگوں کو معمولی نقصان کا بتایا۔ لوگ آگے پیچھے ہو گئے۔ پھر اس نے اسے سیدھا کر لٹایا۔

"یہ تو ضیاء الدین کی لڑکی ہے۔ یہاں کیا کر رہی تھی۔" اسے پہچان اور صلاح الدین سے بہت خوف آیا' مبادا وہ اس کی سازش سمجھ کر اسے یا اس کے بچوں کو نہ جلا دیں۔ جیسے ہی صلاح الدین ملے' پہلے انہیں وہاں سے چلتا کیا۔ پھر فوراً" اپنے قریبی دوست تارا ناتھ حکیم کے پاس گیا۔ اس نے آکر اس کا معائنہ کیا۔ دوائیں لگائی تھیں تیسرے دن اسے تھوڑا تھوڑا ہوش آیا تھا۔ وہ اسے بڑی مشکل سے سہارا دے کر اپنے مطب تک لے گیا۔ اور علاج شروع کیا۔ ہری چرن تقریباً" ہر شام کو اس کا پوچھنے آتا۔ دو ماہ میں اس کے ہاتھ پاؤں کے زخم قدرے بہتر ہوئے تھے۔ البتہ چہرے کے ایک جانب چادر کے شیشے گڑھ جانے سے زخم بہت گہرے تھے۔ مندمل ہونے میں خاصا وقت لگتا تھا۔ اس نے ہری چرن کو اپنے وہاں موجود ہونے اور سہتی ارجیت کا سارا قصہ سنایا تھا۔

"اوہ... وہ بد بخت تو پاگل ہو گئی ہے۔"

"کیا۔" اس کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں۔ "سہتی پاگل ہو گئی ہے؟"

"ہاں پتر... امرت کو جانے اس رات کس نے قتل کر دیا' بھائی کے غم میں وہ پاگل ہو گئی اور اپنا سر ریل کی پٹڑی پر بیٹھی پھوڑتی رہتی ہے' ارجیت نے منگنی بھی توڑ دی' سہتی کی ماں اسے زنجیر ڈال کے رکھنے لگی ہے۔" مبرا اس کی پوتی کی عمر کی تھی اس کی تکلیف دہ حالت پر اسے اور اس کی بیوی کو بہت ترس آتا۔ ہری چرن کے بدلنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ مہینے پہلے اس کے اکلوتے نواسے کو بچھو نے ڈس لیا اور موقع پر مر گیا۔ اس وقت اسے مولوی نظام کی موت بری طرح یاد آئی تھی۔ مندر میں جا کر بھگوان سے رو پیٹ کر معافی مانگی۔ اب دل خاصا نرم ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دن بعد اسے تارا ناتھ کے مطلب سے اپنے گھر لے گیا تھا وہ بار بار پاکستان جانے کی ضد کرتی۔ روتی' پپوٹوں کے زخم نرم ہو کر پھیلتے جاتے۔ ہری چرن کی بیوی اور بیٹی اسے تسلی دیتے تھے۔

"جب حالات اور تو ٹھیک ہو جائے گی' خود تجھے چھوڑ آئیں گے۔" تقریباً" دو ڈھائی سال بعد اس نے کچھ لوگوں کے ہمراہ اسے بھی بھیج دیا تھا۔ پاکستان آکر وہ ان لوگوں کے ساتھ رہنے لگی۔ اپنوں کا کہیں کوئی پتا نہ چلتا تھا۔ اکثر لوگ اس کے چہرے ہاتھ پاؤں سے کراہت کھاتے لیکن عورت عورت سے بھلے جل کر بد شکل ہو جائے' نسوانیت تو رہتی ہے اور شیطان نسوانیت پر مرتا ہے۔ ایک رات اسی گھر کا مرد اسے قابو کرنے لگا تھا۔ لیکن وہ بچ کر ایسی بھاگی آگے پیچھے نہیں دیکھا اسے دوسری بار اللہ نے شیطان سے بچایا تھا۔

مختاراں کے گھر میں نل نہیں تھا۔ وہ آدھی رات کو ہمسائیوں کے گھر سے ڈول بھرے اپنے گھر آ رہی تھی جب ایک بدصورت لڑکی آکر ٹکرائی۔ سارا پانی گر گیا۔

www.urdupalace.com

وہ لڑکی حال سے بے حال تھی۔ چادر تک غائب تھی۔ زہرہ کی جدائی نے مختاراں کا دل زخمی کر رکھا تھا فوراً" اس لڑکی کو سہارا دیا۔ مختاراں اور اس کے بہو بیٹے بہت خدا ترس نکلے کہ اس بی بی کو بارہ سال سے زیادہ ساتھ رکھا۔ اسے چپ لگ گئی تھی۔ اپنے بارے میں اس خوف سے نہیں بتاتی تھی کہیں اپنے پہچاننے سے انکار نہ کردیں۔ پیمان کے گھر وہ بالکل قدر کرتی پہنچی تھی لیکن بکرے کی جلد پر باپ بیٹے کی بحث نے ہر خواہش' آرزو کا گلا دبا دیا۔ اسے خوف آیا کہیں وہ اس کے کراہیت زدہ چہرے سے نفرت نہ کرے' اس کی نفرت جیتے جی مار دے گی۔ بہتر ہے اجنبی بن کر اسے دیکھتی رہوں۔ آج وہی اجنبی اس کے دونوں شانے پکڑے بے طرح جھنجھوڑ کر اس کی ساری داستان سن رہا تھا۔ اس کا جی چاہا ارجیت کے ٹکڑے ٹکڑے کردے' بچپن کے بعد آج پہلی بار ہری چرن اچھا لگا تھا۔ اسے میرا پر بھی غصہ تھا اتنے برس اجنبی بن کر رہی۔

"تو اتنی کٹھور نکلی' تین برسوں میں مجھ پر ایک بار ترس نہیں آیا۔"

"اور اگر تو اس ڈب کھڑبی جلد سے گھن کھاتا۔ پھر؟ تجھے چتکبرا میمنا گھر میں پسند نہیں' میں کہاں سے۔" اس کی رندھی آواز پر اس نے بے اختیار پوری قوت سے اسے خود میں بھینچ لیا۔

"میں نے تو بہت پہلے کہا تھا' تو میرا ہے' کوئی ڈنگر نہیں' بھول گئی آخری بار کیا کہا تھا' کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا' بس تو بے اعتبار نہ ہونا' تجھے اپنے پیمان پر اعتبار نہیں تھا۔"

اس نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا اور چہرہ ہاتھوں میں لیے آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "تجھے کس نے کہا مجھے تیرے رنگ روپ سے محبت تھی۔" دونوں کی آنکھوں سے بے اختیار بہت سا پانی چھلکا۔ "مجھے تجھ سے محبت تھی' محبت ہے یہ دل تیرا نام لے لے کر خامشی سے دھڑکتا ہے۔"

"لیکن پیمان! تیری بیوی' بچے ہیں' اگر اسے پتا چل گیا میرا یہ ٹھکانا بھی چھن جائے گا۔"

"پاگل۔" اس نے مسکرا کر کہا "زہرہ کو سب پتا ہے' دوسرے یہ صرف اس کا گھر نہیں ہے' تیرے پیمان کا بھی ہے۔ اور ٹھکانہ تو اس نے تیرا لیا ہے۔"

ہاں میرے بچے اور وہ میرے بچوں کی ماں ہے' میں اس کی بے حد عزت کرتا ہوں' وہ میرے سر آنکھوں پر رہتے ہیں لیکن اس دل میں صرف میری مہرا رہتی ہے' تو نے خالی کیا ہی نہیں کہ کوئی اور بسیرا کرتا' زہرہ بہت اچھی ہے' مجھے یقین ہے وہ تجھے کچھ نہیں کہے گی' وہ تو تیرے ملنے کی خود دعائیں کرتی تھی۔"

یہ تو زہرہ کا دل جانتا تھا کہ وہ کیا دعائیں کرتی تھی۔ جب جب سائیں بے قرار ہو کر رو پڑتا تو وہ بے چین ہو جاتی اور پوری شدت سے دل ہی دل میں کہتی۔

"اللہ! مہرا اس بندے کو کبھی نہ ملے' دل میں نہ سہی مگر میں اس کی آنکھوں میں تو رہتی ہوں' اگر وہ مل گئی پھر تو آنکھوں سے بھی نکل جاؤں گی۔"

اس وقت وہ دروازے کا پٹ کھولے خاصے فاصلے سے سب دیکھ اور سن رہی تھی' ٹانگیں بالکل بے جان ہو گئی تھیں' دل کی دھڑکن بہت سست تھی۔ کاش! پھوپھی مختاراں کبھی بھی نہ ملتی" اس کے دل نے چٹکی بھری پھر بہت ہمت مجتمع کر کے وہ معمول کی طرح آہستہ آہستہ اندر آئی۔

"پاکستان نے تو جنگ جیت ہی لینی ہے لیکن میں تجھ میں رہ کر بھی تیرا دل نہ جیت سکی سائیں۔" اس نے ایک زبردستی مسکراتی نگاہ دونوں پر ڈالی اور اندر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

www.urdupalace.com